تاریخ زبان اُردو

یعنی

اُردوئے قدیم

جس مین

زبان اُردو اور اس کی نظم و نثر کی مفصّل تاریخ، عہد بعہد ترقّیون کا تذکرہ، ابتدائی زمانہ سے بارھوین صدی ہجری کے نصف اوّل تک مذکور ہے اور اِسکے ضمن مین قدیم شعرا اور مصنّفین کے صحیح و معتبر حالات تحریر ہین

جسکو

حکیم سیّد شمس اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی فارسی اُردو انگریزی فرانسیسی جرمنی وغیرہ کی مشہور و مستند کتابون سے اخذ کرکے مرتب و مدون کیا اور

جو سنہ ۱۹۲۷ء سے عثمانیہ یونیورسٹی کے امتحان ایم۔اے۔ مین داخل ہے

مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوسری مرتبہ کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ کے اہتمام سے

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ مین طبع ہو کر شایع ہوئی

انتساب

جناب فضیلت مآب

مولانا عبدالحق صاحب بی۔ اے

سکرٹیری انجمن ترقی اردو

کنوں ایں کتاب تشکر شعار
ترا باشد از من یکے یادگار

خاکسار

حکیم سید شمس اللہ قادری

۱۹۲۵ء

فہرست مضامین

سلطنت عادل شاہیہ (۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعرائے اردو کی تذکرہ نویسی بارھویں صدی ہجری کے آخر ایام سے شروع ہوئی ہے اور اس وقت سے بیس پچیس سال پیشتر تک ستر اسّی تذکرے لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان سب کی ابتدا اس عہد سے ہوئی ہے جب کہ **ہندوستان** کے دارالسلطنت (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا۔ اور اس سے پہلے جو شعرا **سرزمین دکن** میں گذرے ہیں اُن کے حالات نظر انداز کر دیے ہیں۔ اس فروگذاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ **قدیم شعرا** کے حالات ناپید ہوگئے اور **تاریخ اُردو** کا **دورِ قدیم** پردۂ خفا میں مستور ہوگیا۔

آج سے کم و بیش بیس سال پہلے جب **اُردو** اور **ہندی** کی بحث چھڑی تو اُسکے ضمن میں **اُردو** کی قدامت اور عمومیت بھی معرض بحث میں آگئی حامیانِ اُردو نے ان مباحث پر جو مضامین شایع کیے اُن میں **دورِ قدیم** بالکل مفقود نظر آیا۔ اس کمی کو محسوس کر کے ہم نے ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون "**قدیم شعرائے اُردو**" کے عنوان سے لکھا اور اُس میں اُن اُردو شعرا کے حالات اور اُن کی زبان کے نمونے درج کیے جو **دہلی** میں **ریختہ شاعری** کے رواج پانے سے پہلے **سرزمین دکن** میں گذرے تھے[1]

یہ مضمون اگرچہ مختصر اور نامکمل تھا۔ مگر پھر بھی علمی حلقہ میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور

---

[1] یہ مضمون ۱۹۱۰ء میں لسان العصر لکھنؤ کے چار نمبروں میں شایع ہوا ہے۔ اسمیں عادل شاہی قطب شاہی اور مغلیہ عہد کے دس شعرا کا تذکرہ ہے۔

مولانا حالی اور علامہ شبلی جیسے مشاہیر علما نے اُسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بڑھ گئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اسکا ذخیرہ بھی فراہم ہوگیا لیکن بعض دوسرے اُمور اور اتفاقی سوانحات کے باعث اسکی ترتیب و تدوین نہ ہوسکی اور اسی طرح ایک مدت گزر گئی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۲۴ء ختم ہونے کے قریب ہوگیا۔ دسمبر میں ہمارے دوست مدیر تاج نے اسکے مکمل کرنے کی فرمائش کی۔ اسی اثناء میں دار المصنفین کی جانب سے مولانا عبدالحی مرحوم کا تذکرہ گل رعنا شایع ہوا۔ اس میں ایک مستقل باب شعراء دکن کا نظر آیا۔ لیکن اُسے ہم نے ناقص و نامکمل پایا جسکے باعث اس مضمون کو مکمل کرنے کی مزید تحریک ہوگئی جو کچھ ذخیرہ جمع تھا اُسے مرتب و مدون کرنا شروع کیا۔ دو مہینے کی قلیل مدت میں ایک مستقل کتاب تیار ہوگئی جسے سنہ ۱۹۲۵ء کے اوایل میں مدیر تاج نے متحدہ نمبر کے ذریعہ چھاپ کر شایع کردیا۔

اس اشاعت میں اگرچہ سابقہ اشاعت سے چوگنے معلومات زیادہ تھے۔ تاہم اسمیں اضافہ کی بہت گنجایش باقی تھی۔ کیونکہ بعض شعراء اور نثرنگاروں کے حالات ہم نے دانستہ قلم انداز کردئے تھے وجہ اسکی یہ تھی کہ ان میں سے بعض کا عہد محتاج تصدیق تھا۔ بعض کے جو تصنیفات دستیاب ہوئے تھے۔ اُن کے ابتدائی یا آخری اجزا ناقص و ناتمام تھے۔ اور اسکی وجہ سے تحقیقات کا ذریعہ مفقود ہوگیا تھا۔

سنہ ۱۹۲۷ء کے اخیر ہفتہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیسویں اجلاس میں شریک ہونے کے لئے ہمیں مدراس جانے کا اتفاق ہوا اور کانفرنس کے ایما سے ملیبار کے تاریخی حالات مرتب و مدون کرنے کے لئے قریباً چار مہینے مدراس میں مقیم رہنا پڑا اس دوران میں جنوب کے اکثر مقامات کی سیاحت کا موقع مل گیا۔ جہاں خوش قسمتی سے دکنی تصنیفات کے اکثر نسخے مکمل حالت میں دستیاب ہوئے اور اُن کے مطالعہ سے بہت سی نئی باتیں معرض تحقیق میں آئیں جن کو اس اشاعت میں اضافہ کردیا گیا ہے اور اُمید ہو کہ یہ اشاعت سابقہ اشاعت کے مقابلہ میں زیادہ

مکمل اور بہتر ثابت ہوگی۔

اردوے قدیم پر نظر ثانی کرنے کے لئے باعث تحریک یہ امر ہوا کہ بزمانہ قیام مدراس وہاں کی اُردو سوسائٹی نے ۲۳ و ۲۴ جنوری ۱۹۲۸ء کو ادبیات اردو کی ابتدائی تاریخ پر ہمارے دو لکچروں کا انتظام کیا[1]۔ اور اسکی تیاری میں ہم نے جو یادداشت فراہم کئے تھے وہ سب اُردوے قدیم کی نظر ثانی میں کام آگئے۔

اُردوئے قدیم کی تالیف و ترتیب میں ادب اور تاریخ و تراجم کی کثیر التعداد کتابوں سے مدد لیگئی ہے اور ضخیم ضخیم کتب مطالعہ کرنے کے بعد ان منتشر اور پراگندہ معلومات کو فراہم کیا ہے۔ اور جو بات جس کتاب سے ماخوذ ہے اُسکی صراحت اُسی موقع پر کردی گئی ہے۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے کل کتابوں کی ایک مفصل فہرست کتابیات کے عنوان سے آخر میں لگادی گئی ہے تاکہ ناظرین کو ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ اسکے ماخذات میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں۔ اور اُن کی کن اشاعتوں سے اس میں کام لیا گیا ہے۔ تاکہ بوقت ضرورت اصل کی جانب رُجوع ہونے کے لئے کسی قسم کی دِقت دُشواری باقی نہ رہے۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۸ء میں پروفیسر بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے اُردو مخطوطات کی توضیحی فہرستیں شایع کیں تو ہمیں توقع ہوئی کہ ان کی وجہ سے قدیم اردو تصنیفات کے متعلق ہماری معلومات میں بعض نئی باتوں کا ضرور اضافہ ہو جائے گا اور اُردوئے قدیم پر نظر ثانی کرنے میں ان سے تھوڑی بہت مدد ضرور ملے گی۔ لیکن ان کتابوں کے دیکھنے کا جب اتفاق ہوا تو معلوم ہوگیا کہ ان میں دکنی ادب کی زیادہ تر اُن ہی کتابوں کا ذکر ہے جن سے ادب اُردو کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے مدت سے واقف ہیں اور اُن میں سے اکثر کتابوں کا تذکرہ اُردوے قدیم میں آچکا ہے۔

ان فہرستوں میں دکنی مصنفین اور اُن کی تصنیفات کی نسبت پروفیسر موصوف سے اکثر جگہ

---

[1] یہ لکچر مدراس کے رسالہ سفینہ بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء و جنوری ۱۹۲۹ء میں شایع ہوئے ہیں۔

فاش غلطیاں ہوگئی ہیں۔ مثلاً وہ قصۂ چندر بدن کو عزیز کی پنچھی باچہ کو ضعیف کی اور بکٹ کہانی
کو گوپال کی تصنیف بتاتے ہیں۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ چندر بدن مقیمی کی تصنیف ہے پنچھی باچہ
کے مصنف کا تخلص وجدی ہے جو کتاب میں جگہ جگہ آیا ہے۔ بکٹ کہانی محمد افضل نے لکھی
ہے جن کا تخلص افضل ہے اور جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تخت نشینی سے پہلے ۱۰۳۵ھ
میں فوت ہوئے ہیں[1]۔ اسی نوعیت کی چند غلطیاں۔ اسپرنگر۔ ولسن۔ ڈی۔ٹاسی اور ایتھے سے
بھی ہوئی ہیں۔ ہم نے ان سب کا کتاب میں موقع بموقع تذکرہ کیا ہے اور تاامکان ان کی تصحیح
کردی ہے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری
حیدرآباد دکن
۲۷۔ جون ۱۹۲۹ء

[1] ان مباحث کیلئے دیکھئے ہمارا مضمون اردو مخطوطات مندرجہ رسالہ اردو جلد ہشتم ۱۹۲۸ء

تاریخ زبان اُردو

(۱)

سنسکرت کا انحطاط اور پراکرت کا رواج

آریاؤں کی مقدس زبان **سنسکرت** کو جناب مسیح[1] سے صدیوں پہلے انحطاط ہو گیا تھا اور اس کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروّج ہو گئی تھیں جن کو **پراکرت** کہتے تھے۔ پراکرتوں کو کس زمانہ سے رواج ہوا ہے۔ اس کا سُراغ لگانا دشوار ہے۔ لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ **جناب مسیح** سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہو گیا تھا **بُدھ** اور **جین مت**[1] کی مذہبی زبان پراکرت تھی **سکندر کبیر** نے جب **ہندوستان** پر حملہ کیا ہے[2] تو اُس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ **راجہ**[3] **اشوک** کے کتبے **پراکرت** میں کندہ ہوئے تھے،

مشہور پراکرت

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے **ہندوستان** میں بیس سے زیادہ **پراکرت** بولی جاتی تھی لیکن ان میں ذیل کی پانچ **پراکرت** زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں

(۱) **پالی**۔ یہ زبان **مگدھ** میں (جسے آجکل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی اسمیں **بدھ مذہب** کا مذہبی لٹریچر تھا جسکے باعث سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی

(۲) **جینا پراکرت**۔ اسکی دو شاخیں تھیں ایک میں **جین مت** کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ دوسری وہ ہے کہ جسمیں **جین** کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھی گئی تھیں۔ یہ زبان **جینا مرہٹی** کہلاتی تھی۔

---

[1] بدھ اور جین مذاہب کے بانی مہابیر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں اور جناب مسیح سے چھ سو سال پہلے گذرے ہیں۔

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۷ ق م اور ۳۲۵ ق م کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۲ ق م تک حکومت کی ہے۔

(۳) مہاراشٹری۔ یہ زبان مہاراشٹر میں (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) مُروّج تھی اور آرین وپارتھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

(۴) سوراسینی۔ یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آجکل متھرا کہتے ہیں) بُولی جاتی تھی۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اسکا رواج تھا،

پراکرت۔ آریہ قبائل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیر سے بنی تھیں۔ انکے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویڈین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں مثلاً تلنگی، کنڑی، ٹامل، ملیالم، وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور تورانی السنہ سے انکا تعلق تھا۔

سوراسنی یا برج بھاشا

سوراسنی کا مرکز برج تھا جسکے باعث اسکو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے۔ بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ بہار سے سندھ اور لاہور سے مالدہ تک بولی جاتی تھی اور حضرت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اُس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہوگیا تھا وراردچی نے جو راجہ وکرمادیتہ[1] کا درباری عالم تھا اسکے گرامر (صرف ونحو) کو مدوّن کیا تھا[2]۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی۔

اردو کا منبع ومخرج برج بھاشا ہے

زمانۂ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ زبان اُردو کا منبع ومخرج برج بھاشا ہے اور اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیرہ چودہ پندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں وراردچی نے انھیں

[1] راجہ وکرمادتیہ اُدجین کا مشہور راجہ ہے۔ مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیح سے چھپن ۵۶ سال پہلے اس نے باختر پر حملہ کیا ہے۔

[2] درار دچی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاویل نے ۱۸۶۸ء میں بمقام لندن چھپوائی ہے۔

اپنی گرامر میں بخبسہ بیان کیا ہے[۱] مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جس کے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان **سلاطین مغلیہ** کے دور میں **زبان اُردو** کے نام سے موسوم ہوئی۔

لفظ اُردو کی تحقیق

اُردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکر گاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یک شمہ بہ ایوان تو خورشید منور
یک خیمہ در اُردوئے تو گردون معلّی

امیر علاء الدین جوینی کی **تاریخ جہانکشا** اور **وزیر رشید الدین فضل اللہ** کی **جامع التواریخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ **چنگیز خاں** اور اسکی اولاد کے زمانہ میں مغل بادشاہوں اور بادشاہزادوں کے فرودگاہوں اور لشکر گاہوں کو اُردو کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا مستقر حکومت بھی اُردو کہلاتا تھا اور **قراقرم** کا قدیم نام **اردو بالیغ** تھا[۲]۔

چنگیز خاں کے فرزند **جوجی خاں** کی اولاد نے **دشت قبچاق** اور **روس** و **بلغار** میں ایک وسیع حکومت قائم کر لی تھی اسکے حکمران جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زرّیں خیموں میں قیام کیا کرتے تھے جسکے باعث انکی لشکر گاہیں اُردوے مطلا (Golden Horde) کہلاتی تھیں اور خود انھیں **خوانین اُردوے مطلا** کے لقب سے شہرت ہوگئی تھی[۳]۔

---

[۱] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اوّل فقرہ نہم فصل دوم فقرہ چہل و چہارم۔

[۲] تاریخ جہانکشا جلد اول ص۲۰ ص۴۹ ص۲۰ جامع التواریخ جلد دوم ص۷ ص۱۳ ص۲۵۲

[۳] خوانین اُردوے مطلا ۶۲۱ھ سے ۹۰۷ھ تک برسر حکومت رہے ہیں۔ انکی تین شاخیں تھیں۔

(۱) **خاندان باتو خان**، انکا دارالحکومت سرلے۔ دریائے والگا پر آباد تھا۔ (۲) **خاندان تغا تیمور**، بلغار میں انکی حکومت تھی، قازان مستقر تھا (۳) **خاندان شیبانی** انکو اوزبک بھی کہتے ہیں ابتداءً کرغیز میں انکی حکومت تھی پھر خیوا اور بخارا میں آکر برسر حکومت ہوگئے تھے **شرف الدین علی یزدی** کے ظفرنامہ پر مرزا شاہرخ نے جو مقدمہ لکھوایا ہے اس میں اس خاندان کے مفصل حالات ہیں۔ اور **غیاث الدین خوندمیر** نے حبیب السیر میں انکا خلاصہ تحریر کیا ہے دیکھو جلد سوم جزو اول ص۲۳

خروج چنگیز خاں کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ سے سلطان محمد بن تغلق کے عہد حکومت تک مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم و بیش سو سال تک ہندوستان کا شمالی خطہ انکی تاخت و تاز کا جولانگاہ بنا رہا۔ اسی زمانہ سے ہندوستان میں لفظ اردو کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکرگاہ کو اُردو کہنے لگے۔ قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری جو ۶۵۸ھ میں بعہد سلطان ناصرالدین محمود تصنیف ہوئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں اہل ہند مغلوں کے لشکرگاہ کو اُردو کہا کرتے تھے۔

چوں ملک اعظم الف خاں لشکرہا بطرف ناگور برد و با ملک شیر خاں ایشاں را مکاوحت رفت در حوالی سندھ ملک شیر خاں از انجا عزیمت ترکستان کرد و بطرف اُردوئے مغل رفت و بدرگاہ منکو خاں پیوست[۱]

شمس الدین عفیف کی تاریخ فیروزشاہی تیموری حملے سے کچھ عرصہ پہلے ۸۰۰ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے۔ اسمیں بھی لفظ اُردو آیا ہے اور مصنف نے اُسے فیروزشاہی لشکرگاہ کے متعلق استعمال کیا ہے[۲]

شہنشاہ بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان فتح کیا۔ دہلی اور آگرے کی تسخیر کے بعد ۹۳۳ھ میں جو فتح نامے اطراف و اکناف میں روانہ کئے اُن میں اپنے لشکر کو اردوئے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے[۳]

سلاطین تیموریہ کے درباری مؤرخ جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں گزرے ہیں لفظ اُردو کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں[۴]

---

[۱] طبقات ناصری۔ طبع کلکتہ ص ۲۷۷

[۲] تاریخ فیروزشاہی۔ طبع کلکتہ ص ۵۲

[۳] بابرنامہ۔ طبع قازان ص ۴۱۳

[۴] طبقات اکبری ص ۲۱۵ و ص ۲۱۶ و ص ۲۱۷ اقبال نامہ جہانگیری طبع کانپور جلد دوم ص ۲۰۸ و ص ۲۰۹

بابر اکبر اور جہانگیر نے لشکر گاہوں میں جو سکے مضروب کرائے ہیں اُن پر دار الضرب کا نام اُردو مسکوک ہوا ہے[۱]۔

اکبر ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء کے زمانے سے شاہی لشکر اور دار الحکومت کے لشکر گاہ کو اردوئے معلےٰ کہا کرتے تھے[۲] اور اسکا بازار اُردو بازار کہلاتا تھا۔

اُردو عام طور پر مغلیہ اُردو یعنے لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اسکا نام زبان اُردو یعنے اہل لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان حذف ہوگیا۔ اور عام طور پر اُردو کہنے لگے[۳]

---

[۱] بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۶ھ میں مضروب ہوا ہے "ضرب اُردو" منقوش ہے (دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور ص۴)

اکبر نے اجمیر (۹۸۶ھ) اور پنجاب (۹۸۹ھ) کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے اُن پر دار الضرب کا نام "اردوئے ظفر قرین" ثبت ہے دیکھو نلسن رایٹ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم کلکتہ جلد سوم

جہانگیر نے جلوس کے گیارھویں سال ۱۰۲۵ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکے مضروب کرائے اُن پر حسب ذیل بیت ثبت ہے۔ اور یہ دار الضرب" اُردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست

باُردو سکہ زد در راہ دکن شاہ بحر و بر
شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

جہانگیر نے جلوس کے بارھویں سال ۱۰۲۶ھ کشمیر کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے اُن پر حسب ذیل بیت ثبت ہے

باد رواں تا کہ بود مہر و ماہ
سکۂ اُردوئے جہانگیر شاہ

دیکھو نیومسماٹک سپلیمنٹ حصہ اول مضمون چہارم مشمولہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال بابت ۱۹۰۴ء

[۲] طبقات اکبری ص۲۱۶ و ص۳۱

[۳] گلستان سخن ص۶۵ سید انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ "خوش بیانان آنجا (دار الخلافت شاہ جہان آباد) متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ و در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اُردو موسوم ساختند۔

رختہ کی تحقیق

اُردو کا دوسرا نام زبان ریختہ ہے۔ قدما نظم اردو کو ریختہ کہا کرتے تھے۔[1] ولی دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے۔

یہ ریختہ ولی کا جاکر اُسے سُنا دو

رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لُغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے۔

خونم چو شود ریخت مستی کند آن چشم

از ریختہ ذوق است وطرب در سر ہندو

لیکن شعرائے فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط[2] ہو۔ قدمائے اُردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اسقدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اُردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا۔ اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبان ریختہ مشہور ہو گیا۔

(۲)

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض ۱۳ھ سنہ ۲۳ھ کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے۔ سنہ ۱۵ھ میں عثمان بن عاص الثقفی نے جو عمان وبحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ ان کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اسکے چند ماہ بعد انھیں نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے۔ جنکے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دیبل پر اور حکم نے بروص (بھڑوچ) پر یورش کی۔ لیکن انکا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا۔ سنہ ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہو گیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض ومتصرف ہو گئے۔ ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے مکران وسیستان وطخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمان رض ۲۳ھ سنہ ۳۵ھ کے زمانہ میں مفتوح ہوئے اسکے بعد ہندوستان پر

[1] تحقیق زبان ریختہ صفحہ ۳ [2] بہار عجم جلد دوم صفحہ ۱۶

اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ سنہ ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔

سندھ کی فتح

اسکے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے۔ اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کرلیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان (سنہ ۶۵ھ – سنہ ۸۶ھ) کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے لیکن ان میں سنہ ۸۶ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی۔ اسکا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے دابل کو فتح کیا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا۔ سنہ ۹۶ھ تک بہمن آباد۔ الور اور ملتان فتح ہوگئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد محمد قاسم معزول ہوکر دربار خلافت میں چلا آیا۔ اور اسکے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

سندھ میں عربوں کی حکومت

فارسی اور انگریزی مورخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہوگئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کرلیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (سنہ ۲۲۷ھ – سنہ ۲۳۳ھ) کے زمانہ تک دربارِ خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہوکر آتے تھے اور منصورہ انکا مستقر حکومت تھا جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی، اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے انکے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں۔ یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور انکے حکمران سلاطین غزنویہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف رہے۔

سلہ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۹۵

(۳)

غزنیں میں سلطنت اسلامیہ کا قایم ہونا

ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے **اسلامی حکومت** قائم ہوگئی تھی۔ لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اسکے نیچے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی ۳۲۴ھ میں **الپ تگین** نے جو **سلاطین سامانیہ** کا ترکی غلام تھا **غزنیں** میں ایک مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ حکومت ایسے ملک میں قائم ہوئی جو **ہندوستان** و **خراسان** کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے بہ آسانی ہندوستان میں آمد و رفت ہوسکتی تھی اسوقت **پنجاب** میں **راجہ جیپال** حکمراں تھا۔ اسکی حکومت **نیلاب** (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوئی تھی۔ **سبکتگیں** نے (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) جو **الپ تگیں** کا جانشین تھا۔ راجہ کے ساتھ **وادیٔ لمعان** میں دو لڑائیاں کیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا[۱]

سلطان محمود کی فتوحات

سبکتگیں کے بعد **سلطان محمود** ۳۸۷ھ تا ۴۲۱ھ برسر حکومت ہوا اسکے زمانہ سے **ہندوستان** کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اسنے ۳۹۲ھ (۱۰۰۱ء) سے ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء) تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے[۲]۔ اور نیلاب کو عبور کرکے جنوب میں **کوہستان بندھیاچل** تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا۔ اسکی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں **کالنجر** اور مغرب میں **سومنات** تھے پہلا مقام **جمنا** (دریائے گنگا) کے نیچے **بندیل کھنڈ** میں اور دوسرا **گجرات** میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ **محمود** نے ۴۰۹ھ میں **قنوج** و **متھرا** کو فتح کیا[۳]

---

[۱] فرشتہ جلد اول ص۱۸ الفنسٹن ہسٹری ص۳۲۲

[۲] ان حملوں کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ منتخب التواریخ اور الفنسٹن ہسٹری میں تحریر ہیں۔

[۳] طبقات اکبری ص۵ فرشتہ جلد اول ص۲۹

۴۱۳ھ میں **کالنجر** کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا۔[1] ۴۱۵ھ میں **گجرات** کے دار السلطنت **نہر والہ پٹن** کو فتح کر کے **سومنات** کو تاخت و تاراج کیا۔[2] **محمود** کے بعد اسکی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا لیکن **پنجاب** پر انکا قبضہ بدستور قایم رہا۔

آل سبکتگین کا لاہور کو دار الحکومت قرار دینا

اس زمانہ میں **آل شنسب** کو عروج حاصل ہوا اور **بہرام شاہ** (۵۱۲ھ ۵۴۷ھ) کے زمانہ میں **غزنین** پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اُس وقت **آل سبکتگین** کے ہاتھ میں صرف **پنجاب** کی حکومت باقی رہ گئی **بہرام شاہ** نے **غزنین** سے نکلکر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور **لاہور** کو اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ اسکے بعد اسکے دو جانشین **خسرو شاہ** (۵۴۷ھ ۵۵۵ھ) اور **خسرو ملک** (۵۵۵ھ ۵۸۳ھ) کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے ۵۸۳ھ میں **محمد بن سام** نے جسکا لقب **شہاب الدین غوری** ہے لاہور کو فتح کر لیا تو **آل سبکتگین** کا خاتمہ ہو گیا اور **پنجاب** **آل شنسب** کے تصرف میں آگیا۔[3]

آل شنسب کا ظہور اور محمد بن سام کے فتوحات

اسکے بعد **محمد بن سام** نے ہندوؤں سے لڑائی جھگڑے شروع کئے اُس وقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے۔ **تومرا** دہلی میں **چوہان** اجمیر میں **راٹھور** قنوج میں **باگھلے** گجرات میں۔ دہلی کا راجہ **ناگ دیو** جب لاولد مر گیا تو اُسکا نواسہ **رائے پتھورا** جو **اجمیر** کا راجہ تھا دہلی میں برسر حکومت ہوا۔ اور اسطرح پر **تومرا** خاندان کی حکومت **چوہان** خاندان میں منتقل ہو گئی۔[4]

محمد بن سام نے فتح **لاہور** کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو **رائے پتھورا** نے **ترا وڑی** میں اسکو پسپا کر دیا۔ لیکن اسکے دو سال بعد ۵۸۸ھ میں بمقام **تھانیسر** اُسنے فتح حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ **اجمیر** اور **دہلی** مسلمانوں کے تصرف میں آگئے۔ اسکے بعد ۵۹۲ھ میں **قنوج** فتح ہوا

[1] طبقات اکبری ص ۹ فرشتہ جلد اول ص ۳۱

[2] طبقات اکبری ص ۹ فرشتہ جلد اول ص ۳۲

[3] طبقات اکبری ص ۱۸

[4] الفنسٹن ہسٹری ص ۳۵۴

ہندوستان خاص اور بہار و بنگال کا سلطنت اسلامیہ میں شامل ہونا،

اس اثنا میں اودھ اور بہار بھی مسخر ہوگئے۔ غرضکہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، سنہ ۶۰۲ھ میں دریائے نیلاب کے پاس ملاحدہ اسمٰعیلیہ نے محمد سام کو شہید کردیا[1]۔ اسکے بعد انکی سلطنت انکے غلاموں میں تقسیم ہوگئی تاج الدین یلدوز غزنین میں ناصر الدین قباچہ سندھ میں قطب الدین ایبک دہلی میں بہاء الدین طغرل بیانہ میں خود مختار ہوگئے طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضہ میں آگیا جسکے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں زبدا تک پھیل گئی اسی زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہوگیا۔ التمش کے زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو انکے علاقہ بھی سلطنت دہلی میں شامل ہوگئے۔

دکن میں بندھیاچل سے راسکماری تک مسلمانوں کے فتوحات

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن جب انکی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہوگئی تو سلطان علاء الدین محمد (سنہ ۶۹۵ھ تا سنہ ۷۱۵ھ) نے دکن کی جانب پیشقدمی کی سنہ ۷۰۶ھ میں دیوگڈھ فتح ہوا سنہ ۷۰۹ھ میں ورنگل اور سنہ ۷۱۱ھ میں کرناٹک مفتوح ہوئے اس آخر الذکر فتح کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندر رامیشورم تک پہنچگئے۔ اور وہاں سلطان علاء الدین کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کیگئی جو جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھی[2]۔

سلطان علاء الدین خلجی (سنہ ۶۹۵ھ تا سنہ ۷۱۵ھ) کے زمانہ سے ملک دکن سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا اور اسکے بعد قریباً چالیس سال تک تخت دہلی سے اسکا تعلق قایم رہا محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ تا سنہ ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں امرائے دکن نے بغاوت کی جسکے باعث دہلی کی حکومت سے دکن آزاد ہوگیا[3] اور یہاں سنہ ۷۴۸ھ کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ (سنہ ۷۴۸ھ تا ۹۳۳ھ) قایم ہوگئی جسکے فرمانروا کم وبیش دوسو سال تک حکمراں رہے۔ نویں صدی سے اسکو بھی انحطاط شروع ہوا۔ اور پچاس سال کے اندر ملک کو مختلف سرداروں نے تقسیم کرلیا اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قایم ہوگئیں۔

---

[1] دول الاسلام ذہبی ص ۱ جلد دوم [2] فرشتہ جلد اول ص ۱۱۹ [3] الفنسٹن ہسٹری ص ۳۰۰

(۴)

عربوں کے دورِ حکومت میں سندھ کی اسلامی آبادی

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے، سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدّن لیتے آئے اور اسے ملک میں اسقدر پھیلایا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا سندھ میں کم و بیش پانسو سال اِنکی حکومت رہی ہے۔ اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کرلی اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ اسقدر اختلاط بڑھایا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہوگیا۔ ابن[1] حوقل جو چوتھی صدی کا مشہور سیّاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے ہندو مسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے دونوں ایک زبان بولتے ہیں سندھ میں عربی اور ہندی بولی جاتی ہے۔ مُلتان میں مُلتانی اور فارسی کا رواج ہے۔

آل سبکتگیں کے زمانہ میں پنجاب کی اسلامی آبادی

آل سبکتگیں اور سلاطین شنسبانیہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتدا میں اِن کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانہ سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابو الحسن علی بن عثمان الہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ) فخر الزہاد شیخ فخر الدین زنجانی جو مشاہیر مشائخ صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے مسعود سعد سلمان، ابو الفرج رونی ابو عبد اللہ النکتی، اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اُسنے ایک مدرسہ بھی جاری

[1] ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۹ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا ہے اور ۳۶۶ھ میں اپنا سفرنامہ مدون کیا ہے جسکا نام المسالک والممالک ہے اور اسے دخویہ نے ۱۸۷۳ع میں چھاپ کر شایع کیا ہے ۱۲

گیا تھا جو صدیوں قائم رہا اور اسمیں علوم اسلامیہ کی تعلیم دیجاتی تھی،

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندستان کی اسلامی آبادی

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بیانہ بہار لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے اور جسقدر مقامات فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابرین اور ان کے مُریدو معتقدین نے بھی سکونت اختیار کی، اسطرح سو سال کے اندر اندر نیلاب سے بنگال تک اور لاہور سے کرشنا تک مسلمان تمام ملک میں پھیل گئے اور اُنکے ساتھ انکا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی چنانچہ ابن بطوطہ[۱] جو آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ہندوستان میں آیا اور اس سرے سے اُس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اُسنے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور اسلامی آثار سے معمور و مملو پایا۔

ہندوستان کا اسلامی تمدن جو عربی اور ہندی تمدن کے اختلاط سے بنا ہے

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور اپنی زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اسکا ایسا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا کہ مصر و ایران میں پڑا تھا اُن ممالک میں اسلامی تمدن اور اسلامی زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو نابید کر دیا۔ اسکے خلاف ہندوستان میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہوجاتا اِسلئے دونوں تمدن کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی۔ فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نکر سکے لیکن ہندوؤں کی زبان بھی انکی عام زبان نہو سکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اُردو کے نام سے مشہور ہے۔

اُردو زبان جو اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بُولتے تھے لیکن انکی فارسی خالص فارسی نہ تھی۔ بلکہ اس میں عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہوگئے تھے، ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا دسورا سنی، اگرچہ

---

[۱] ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہی غالباً ۷۳۴ھ میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندستان میں آیا اور دس سال یہاں رہکر ۷۴۳ھ میں چین کو چلا گیا۔ اسکا سفرنامہ فرنچ ترجمہ کیساتھ دی فرمری نے ۱۸۵۳ء ۱۸۵۸ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے۔

دوآبہ[1] کی زبان تھی لیکن پانچویں صدی ہجری تک اسکو بیحد وسعت ہو گئی تھی، بہار سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک کے اُس خطہ کی عام زبان تھی جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوئی مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشو ونما پائی۔ مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اسمیں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مورخین سلف کے بیانات

برج بھاشا کا یہ تغیر کب سے شروع ہوا اور اُردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اسکی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے

سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ:-

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں، ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے۔ پھر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں ہی کے زمانے یعنے حضرت مسیح کی تیرھویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کئے تھے اور کچھ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے، غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جسکو جدا زبان کہا جائے۔

جبکہ شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں شہر شاہ جہان آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت ملگئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیل ہو گئی غرضکہ لشکر بادشاہی اور اُردوئے معلی میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اُردو نام ہوا پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اُردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی یہاں تک کہ تخمیناً ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے

[1] دوآبہ۔ اس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا جمنا کے مابین واقع ہے۔

عہد میں شعر کہنا شروع ہوا[۱]"

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:۔

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سُنکر حضور میں آکر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جُدی جُدی تھی اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اُردو کی مقرر ہوئی[۲]

مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے کہ:۔

" زبان اُردو روزمرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبان ہندی مروج تھی۔ ہر شخص اُسی زبان میں کلام کرتا تھا جب ۵۸۸ھ میں سلطان معزالدین مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی اہل ہند کو شکست دی۔ رائے پتھورا کا کام تمام کیا تمام ملک ہند بسلاطین غور کے قبضہ اختیار میں آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا جب محمد شاہ بن تغلق شاہ سریرآرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر یہ ایک تازہ ظلم کیا کہ اُن کو شہر میں رہنے نہ دیا۔ دیوگیر معروف بدولت آباد میں بھیجدیا۔ اور پھر قبل اپنی سلطنت کے زوال کے ان لوگوں کو دہلی میں بلالیا۔ اس نقل و حرکت کے باعث بہت سے الفاظ دکھنی بھی زبان دہلی میں ملگئے۔ یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہا لیکن جب شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہاں آباد کو آباد کیا تو شاہ جہاں آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میں فرق ہونے لگا۔ زبان اُردو کی ترقی شروع ہوئی[۳]"

---

[۱] آثار الصنادید۔ طبع نامی پریس کانپور ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۴ء حصہ سوم صفحہ ۱۰۴ و صفحہ ۱۰۵

[۲] باغ و بہار۔ طبع لندن ۱۸۵۹ء

[۳] رسالہ تحقیق زبان ریختہ طبع ۱۸۹۰ء صفحہ ۳ صفحہ ۴

مرحوم سرسیّد کا بیان ہے کہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا جب شاہ جہاں آباد آباد ہوا تو وہاں کے شاہی لشکر اور اُردوئے معلّیٰ میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اُردو زبان پیدا ہوئی۔ اسکے برخلاف میر امّن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں اسکی ابتدا ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا نساخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (۵۶۹ھ تا ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اُردو کی بنیاد پڑی ہے۔

اُردو کی ابتدا کے متعلق مستشرقین یورپ کی تصریحات

یہ بیانات مقامی مصنّفین کے تھے۔ اب ہم یوروپین مستشرقین کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

مسٹر بیمس نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصۂ دراز تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا۔ مسلمان مدّت تک فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انھوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا۔ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگزاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ سے ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اسطرح پر ایک جدید زبان اُردو کی بنیاد پڑی۔[1]

اُردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مؤرخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (۸۰۱ھ تا ۸۰۰ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اسوقت سے اُردو کی بنیاد قائم ہوئی۔[2]

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری)

---

[1] Beames—A. Comparative Grammar of the Modern Aryan Languages of India p. 15.

[2] Dr. Gilchrist Hindostani Philology.

کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اُسنے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کر لی [۱]۔

ڈاکٹر ونٹیر نز (سجنے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) کا بیان ہے کہ بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولھویں صدی عیسوی (گیارھویں صدی) تک ایک نئی زبان پیدا ہو گئی [۲]

آل سبکتگیں کے زمانہ میں اُردو کی بُنیاد قائم ہوئی ہے،

اوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سُود ہے کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اُردو کی اس سرگذشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اسکی وجہ سے ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہو گئی ہیں تاریخ زبان اُردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اسکی بُنیاد پر اُردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کی جائیں اور اسکے بعد اسکی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ آل سبکتگیں کے زمانہ میں اُردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے

سلطان محمود کے مقبوضات وسطِ ایشیا میں دُور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراءالنہر۔ خوارزم ۔خراسان ۔ اور فارس کا بہت بڑا حصہ اسکی سلطنت میں شامل تھا لیکن مسعود بن محمود (۴۲۱ھ تا ۴۳۲ھ) کے زمانہ میں آل سلجوق نے تمام ملک چھین لیا [۳]۔ اور مودود بن مسعود (۴۳۲ھ تا ۴۴۱ھ) جب برسر حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آل سبکتگیں کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے مسعود کے اعیان و امراء اور دیگر متوسلین جو

---

[۱] Colebrooke—Asiatic Researches Vol. VII p. p. 220.

[۲] Dr. Winternitz—Geschichte Der Indichen Litteratur p. p. 139.

[۳] روضۃ الصفا جلد چہارم ص۱۰۱

وسط ایشیا میں رہتے تھے آل سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانماں ہو گئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔

اِن نوواردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت جلد میل جول پیدا کر لیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اسمیں اسقدر کمال حاصل کیا کہ اہل زبان ہو گئے۔ چنانچہ مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ النکتی جو سلطان ابراہیم (۴۹۲ھ تا ۵۵۱ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں فارسی کے مشہور شاعر ہیں ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دواوین بھی مرتب کئے تھے[1]۔

سلطان محمود کے دربار میں بہت سے ہندو ملازم تھے۔ ایک ہندو کو جس کا نام ہجر اے تھا، سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا اور اسنے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے[2]۔ سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا اسکے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اسکی مدافعت کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا۔ ایک لڑائی میں جب ناتھ مارا گیا تو اسکی جگہ تلک مامور ہوا اور اسنے نہایت عمدگی کیساتھ نیالتگین کی بغاوت فرو کی[3]۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے میل جول اور تبادلۂ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانہ سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی[4] اور عہد بہ عہد

---

[1] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و ہفت اقلیم در تحت لاہور۔

[2] طبقات اکبری صفحہ ۱۵

[3] طبقات اکبری صفحہ ۱۳ ایلیٹ ہسٹری جلد ۲۔ صفحہ ۱۳۰

[4] الفنسٹن ہسٹری طبع ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۴۵

ترقی کرتے ہوئے ساتویں صدی تک اسنے ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنھوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود وباش اختیار کرلی تھی۔ اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اُردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور اُن سے اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اُس میں عہد بہ عہد کسقدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

(۵)

شیخ فرید گنج شکر اور زبان اُردو

شیخ فریدالدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۶۶۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا ہے[1]، آپ کے خلیفہ خواجہ بدرالدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے[2]۔ جواہر فریدی میں (جو بعہد جہانگیر ۱۰۳۳ھ میں تالیف ہوئی ہے) لکھا ہوا ہے کہ بزمانۂ قیام دہلی آپ کو آشوب چشم کی شکایت ہوگئی۔ اور آنکھ پر پٹی باندھ کر اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیر نے پٹی باندھنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "آنکھ آئی ہے" اس کے جواب میں پیر کا ارشاد ہوا۔ "اگر آنکھ آئی ہے ایں راچرا بستہ اید"[3]

---

[1] آئین اکبری جلد سوم ص ۲۰۹ شہزادہ دارا شکوہ نے ۶۶۴ھ لکھا ہے (سفینۃ الاولیا ص ۹۶)

[2] اسرار الاولیا ص ۲۰ [3] جواہر فریدی ص ۲۰۰

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے مُرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے ۷۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی ہے آپ بنگالہ سے دہلی میں تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے بنگالہ جانے کی ترغیب دی لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے سے شیخ علاء الدین قل موجود ہیں اور خلائق کا رجحان انکی جانب ہے میرے وہاں جانے سے کیا نتیجہ ہے اسپر خواجہ صاحب نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا "تم اوپر وے تلے" شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور فوراً بنگالہ کی جانب روانہ ہوئے

حضرت خواجہ بندہ نواز رح
کا مقولہ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رح دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ آپ کے ایک مُرید عبداللہ بن عبدالرحمن چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور اس میں اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے

"بھوکوں موے سوں خدا اچھا اپڑتیا ہے   خدا کون اپڑنے کی استعداد ہوے ہے"

قطب عالم رح گجراتی کے
اقوال

سید برہان الدین عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین حسینی رح کے پوتے تھے ۸۰۳ھ میں گجرات آکر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے سلطان احمد (۸۱۳ھ–۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن سے احمد آباد تشریف لائے۔ آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمد رح بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو قطب عالم رح اور فرزند کو شاہ عالم رح کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت اور بلند پایہ بزرگ تھے ۸۵۷ھ میں قطب عالم رح نے اور ۸۸۰ھ میں شاہ عالم رح نے انتقال فرمایا ہے

۱۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۵۵ ۲۔ آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۸۰
۳۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۹۹ ۴۔ آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۸۵ ۵۔ اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۶

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالمؒ نماز تہجد کے لئے اُٹھے اور صحن میں آئے تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی اسوقت آپنے فرمایا "کیا ہی لوہا ہے، یا لکڑ ہے، یا پتھر"[۱]

شاہ بارک اللہ چشتیؒ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مُرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمھارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمھیں اس لقب سے شاہ بارک اللہؒ نامزد کریں گے شیخ سراج الدینؒ جب شاہ بارک اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اُس روز سے شاہ عالم آپ کا خطاب مشہور ہوگیا۔ شاہ عالم نے اس واقعہ کو جب اپنے والد قطب عالم سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "چشتیوں نے پکائی اور اُسے بخاریوں نے کھائی"[۲]

شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات

شیخ وجیہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں ۹۱۱ھ میں چنپانیر میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ تھے۔ ۱۹ صفر ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا ہے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، بیان و معانی وغیرہ میں جسقدر مشہور اور متداول کتابیں ہیں اُن سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی اور بھی بہت تصنیفات ہیں۔ منجملہ ان کے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں[۳]

آپ کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپکے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں اسکے چند مقامات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسے گفت کہ میاں شیخ فضل اللہ ترک درس کردند

---

۱ تحفۃ الکرام ص۱۰ ۲ تحفۃ الکرام ص۱۰ (؟)

۳ منتخب التواریخ ص۲۹۳ سبحۃ المرجان ص۴۵ اخبار الاخیار ص۱۵۶ میں آپ کا ۹۹۷ھ سال وفات لکھا ہے۔

فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے تب آپیں درس کہیں گے"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود اربعین نشینم

فرمودند "اس سیں ہور کیا خوب ہے۔ اس دنیا میں کہ دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند۔

فرمودند "عارف اُسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے"

(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے۔ جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو (اسوقت) تبیچ پاوے۔ دوجے (دوسرے) بار بھی پاوے۔ تیجے (تیسرے) بار بھی پاوے۔

سید ہاشم بیجاپوری کے اقوال

شاہ ہاشم علوی۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین کے فرزند تھے، ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (۹۸۸ھ – ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۵ھ – ۱۰۷۰ھ) کے زمانہ میں ۹ رمضان ۱۰۵۹ھ کو انتقال فرمایا۔ شاہ مراد بن شاہ جلال نے جو آپ کے مرید خاص تھے آپکے اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اسکا نام مقصود العاشقین رکھا۔ کتاب سے شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں،

(۱) ہاشم جی کی سنئے بات   جنے رکھی باسی بھات
اُس کا جاوے ہلتے ہات

---

(۲) باپ سکے اُتنا دیوے سو پُوت   باپ نیں دیوے سو سپوت
باپ کا دیا (جھینے) سو کپوت

(۳) دنیا چھوڑے شیخ کہائے — یہ حجاب تجھ بھولے نائے
دینی شیخی سوں یک میدان — پہلے[1] جھوٹے دوجے[2] شیطان

شاہ نظام الدینؒ، شاہ ہاشمؒ کے ایک مُرید خاص تھے۔ صاحب مقصود العاشقین نے انکا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔

نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے۔ اول جبکا نیں دِل صفا،
جامہ سونڈے میں ڈب رہا۔ اُسے خوشبو لگائے تو کیا نفا؟

ہندوؤں کی زبان کے نمونے

اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے۔ اب ہندوؤں کی زبان کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے،

کبیر داس بنارس کے رہنے والے، گرو رامانند کے چیلے اور ہندوؤں کے مشہور موحد گزرے ہیں۔ سلطان بہلول (۸۹۴ھ-۸۹۴ھ) اور سکندر لودہی (۸۹۴ھ-۹۲۳ھ) کے معاصر تھے ۸۴۰ھ کے قریب پیدا اور ۹۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ گورکھپور کے قریب مگھر میں مسلمانوں نے ان کا مقبرہ بنایا ہے ذوالفقار اردستانی نے دبستان المذاہب میں ان کے حالات لکھے ہیں[1]

کبیر[2] دوہے بھی برج بھاشا میں ہیں لیکن اس زبان میں نہیں ہیں جو تحریر کے لئے مخصوص تھی بلکہ ان کی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال میں ہندو استعمال کرتے تھے ایں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اسکے برخلاف ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

ایسا کوئی نہ ملا جا سوں رہیئے لاگ — سب جگ جلتا دیکھا اپنی اپنی آگ

---

[1] دبستان طبع کلکتہ ۱۲۲۴ھ صفحہ ۲۴۶ طبع بمبئی صفحہ ۱۵۱ اردو ترجمہ صفحہ ۲۲۰

[2] کبیر کے دوہوں کو پنڈت شیوبرت لال ایم اے نے فارسی خط میں کبیر با لکھی کے نام سے چھپوایا ہے اُس سے یہ نقل کیے گئے ہیں۔

سُکھ میں سُمرن نا کیا۔ دُکھ میں کیا یاد کہیں کبیرتا داس کی کون سنے فریاد

نینوں کی کر کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھائے

غوطہ مارا سندھ میں مُوتی لائے بیٹھ وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

سیج بچھاوے سندری انتر پردا ہوئے تن سونپے من دے نہیں خصم خوشی کیوں ہوئے

کبیر الوہا ایک ہے گڑھنے کا ہی پھیر لوہے سے بکتر بنے لوہے سے شمشیر

کبیر تیرے ریت رائے ہی کیوں سوئے سکھ چین کوچ نقارا سانس کا باجت ہے دن رین

کبیر سے پہلے اور اُن کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں مثلاً سور داس (سنہ ۹۹ ھ) تلسی داس (سنہ ۱۰۲۳ھ) وغیرہ لیکن ان کی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اِسلئے ہمنے قلم انداز کر دیا ہے۔

نویں صدی سے پہلے اُردو کی وسعت

اوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک اُردو زبان، ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی۔ اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستان اسلامی کہنا چاہئے بعلم طور پر بولی جاتی تھی۔ اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور مشائخین کے وعظ و تذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

اُردو ہندوستان سے باہر

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے بہت سے علما مکہ معظمہ

اور مدینہ منورہ میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علاوہ ان کے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی کئی سال وہاں رہ کر واپس آتے تھے۔ ان کی رہائش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات بنے ہوئے تھے۔ اور انکے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھوکھا روپیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ان رباطات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انھیں ہر وقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تھا۔ اسلئے انھوں نے اُردو بولنا سیکھ لیا تھا۔ انکے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں کے میل جول کے باعث اُردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہو گئے۔[1]

شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ مالوہ آپ کا وطن تھا۔ گجرات، دکن، سراندیپ، کی سیاحت کرتے ہوئے ۹۶۳ھ میں مکہ معظمہ پہونچے مولانا علی متقی جو برہان پور کے باشندے اور علوم شرعیہ کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہ کر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال حاصل کیا ۹۷۵ھ میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا۔ اسکے بعد شیخ عبدالوہاب چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس جاری رکھا ۱۰۰۱ھ میں بمقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے۔

حرم کعبہ میں بزبان اُردو علوم دینیہ کا درس

شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے۔ اسکے بعد عربوں کو عربی میں عجمیوں کو

---

[1] یہ واقعات آثار المدینہ۔ زاد المتقین۔ جذب القلوب۔ اور اخبار المسکہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

فارسی میں۔ ہندیوں کو اُردو میں درس دیا کرتے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور شیخ عبد الوہاب متقی کے خلیفہ و جانشین ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب سنہ ۱۰۰۳ھ میں لکھی ہے اور اسکا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے جمیں شیخ عبد الوہاب کا طریقہ درس اسطرح مذکور ہے

"طریقۂ ایشاں در تعلیم و تدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند او را درس بگویند۔ ہر علمی کہ باشد۔ اما اگر از تفسیر و حدیث و تصوف بخواند خوش حال تر و راضی تر باشند۔ و بعد از مقید شدن بدرس در تحقیق و تشخیص مسامحہ نہ کنند۔ مہما امکن در تفتیش و تنقیر حواشی و شروح کد نمایند و ہمت تمام مصروف بایں جانب سازند و سخن را مجمل نگزارند۔ چنانکہ طالب علم را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق و تشدق لسانی درمیان شد و با ہر کس بزبان او سخن کنند و با ہندیاں در تقریر فارسی تکلف نکنند و ہم بہ زبان ہندی اکتفا فرمایند۔ اگر چین درس شخصے عجمی یا عربی حاضر شود، بجہت وے تقریر را تغیر ندہند و بقصد استماع وے سخن غریب را از جنس حقائق و دقائق اعادہ و تکرار نہ کنند۔ مگر آنکہ چیزے بپرسد و در استفادہ مشارکت بنماید و بآں مقدار بر اندازہ سوال بزبان وے سخن کنند و جواب گویند و سالہا در حرم شریف ایں علوم را درس گفتہ اند"

(۶)

امیر خسروؒ اور اُردو زبان

ساتویں صدی کی اُردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسروؒ کی نظمیات ہیں اُن سے نہ صرف اُس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہیں تھی

حضرت امیر خسروؒ ۶۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذلقیعدہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ تا ۶۸۶ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے۔ لیکن ملازمت کی تقریب سے ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو ۱۰۲۴ھ میں تمام ہوا ہے) لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے لیکن اوحدی کا یہ بیان اسوقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ زمانہ کے ناقدر ہاتھوں نے اس تمام ذخیرے کو تباہ و برباد کردیا۔ تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دستبرد سے بچگیا ہو وہ بھی ابتک پردۂ خفا میں مستور ہے۔

شاہانِ اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسروؒ کے دو سو چیستیان موجود تھے اور انکے علاوہ ایک مجموعہ میں انکا متفرق کلام جمع تھا جسمیں فارسی آمیز غزلیں اور مکرنیاں وغیرہ تھیں ان دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور انکے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شایع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے۔ اس وقت تک دو غزلیں اور دو متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

زحال مسکین مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری تیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آئیں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کو درائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کے گھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا	در غم ہجر تو کمر ٹوٹا ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من	بے گنہ ہم ساتھ عجب روٹھا ہے
روئے تو رونق شکن آفتاب	سرو بہ پیش قد تو بوٹا ہے
گاہ ز خسرو تو نگفتہ کہ نیٹھ	وہ چہ کند بھاگ مرا پھوٹا ہے

زرگر پسرے چو ماہ پارا	کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست	پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسرو کے چیستان

حضرت امیر خسرو رحمۃ کے حسب ذیل چیستان ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

حمد الٰہی

سب کوئی اسکو جانے ہے — پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی میں لیکھا ہے — فکر کیا اُن دیکھا ہے

خربزہ

دس ناری کا ایک ہی نر — بستی باہر واکا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم — مُنھ میٹھا تاثیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا — بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اسکا ناؤں — بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں

قینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے

کاجل

جل کر بنے جل میں رہے — آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بئے کا گھونسلا

ایک انوکھا گرہ بنایا — اوپر نیو نیچے گھر چھایا
بانس نہ بلّی، بندھن گھنے — کہو خسرو گھر کیسے بنے

فارسی لغات اور اُنکے اُردو مترادفات

آٹھویں صدی سے دسویں صدی تک شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کے چار مشہور و مستند لغات لکھے گئے ہیں(۱) اِن میں سب سے قدیم محمد بن قوام بن رستم بلخی کی بحر الفضایل فی منافع الافاضل ہے۔ جو ۷۹۵ھ سے پہلے تصنیف ہوئی ہے۔ اسکی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں فارسی کے عام الفاظ ہیں انکے ضمن میں اکثر الفاظ کے ہندی مترادف بیان کئے ہیں۔ دوسری جلد کے چودھویں باب میں اُن ہندی الفاظ کو جمع کیا ہے جو

ہندی نظموں میں آئے ہیں۔ یہ باب ادبیات اُردو کی ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہی کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت آٹھویں صدی کے اخیر ایام میں مسلمان فارسی کے علاوہ عام طور پر ہندی زبان بولتے تھے اور اُس زمانہ میں اسمیں نظمیں بھی لکھی گئی تھیں اور وہ اسقدر مقبول و مشہور تھیں کہ مصنف کو انکا لغت فارسی میں مدون کرنے کی ضرورت پیش آئی[1]

(۲) بحر الفضائل کے بعد آدات الفضلا ہے۔ اسکو قاضی خاں ملا نذر محمد دہلوی نے امیر تیمور کی یورش کے بیس سال بعد ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہی (۳) اسکے تیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے مرشد شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری کے نام پر اُسکا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہی باربک شاہ ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمران رہا ہی[2] (۴) اسکے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودھی کے زمانہ میں مؤید الفضلا کو مرتب کیا۔ یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے انکے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور مؤید الفضلا نے اسکا التزام خصوصیت کیساتھ کیا ہی اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم وبیش (۱۰۰) ہیں جنکے معنی اُردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اُردو الفاظ آگئے ہیں اُنکی تعداد کم وبیش (۸۰۰) ہے

یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اسوقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

---

[1] بحر الفضائل اور اسکے مصنف کی نسبت ہمنے ایک مفصل مضمون لکھا ہی جو رسالہ زمانہ بابت مارچ ۱۹۲۹ء میں شایع ہوا ہے

[2] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۹۵

سلطنت بہمنیہ

۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ

۱۔ علاء الدین بہمن شاہ	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
۲۔ محمد شاہ بن بہمن شاہ	۷۵۹ھ تا ۷۷۶ھ
۳۔ علاء الدین مجاہد شاہ	۷۷۶ھ تا ۷۸۰ھ
۴۔ داؤد شاہ	۷۸۰ھ
۵۔ محمد شاہ ثانی [1]	۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ
۶۔ غیاث الدین	۷۹۹ھ
۷۔ شمس الدین داؤد شاہ ثانی [2]	۷۹۹ھ تا ۸۰۰ھ
۸۔ تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ
۹۔ شہاب الدین احمد شاہ اول	۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ
۱۰۔ علاء الدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ
۱۱۔ علاء الدین ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ
۱۲۔ احمد شاہ ثالث [3] (نظام شاہ)	۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ

[1] فرشتہ نے اسکا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات میں محمد شاہ مسکوک ہے۔ تھامس کرانیکل صفحہ ۳۴۵

[2] سکوں پر اسکا لقب داؤد شاہ تحریر ہے۔ نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر (۱۱) آرٹیکل ۶۲ نمبر ۶ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲

[3] مورخین نے اسکا نام نظام شاہ اور اسکا زمانہ حکومت ۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ بتایا ہے لیکن جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہیں انپر بادشاہ کا نام احمد شاہ مسکوک ہے (نیومسماٹک کرانیکل ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۶۹)

۱۳۔ شمس الدین محمد شاہ ثالث	۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ
۱۴۔ محمود شاہ	۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ
۱۵۔ احمد شاہ رابع	۹۲۴ھ تا ۹۲۷ھ
۱۶۔ علاء الدین	۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ
۱۷۔ ولی اللہ	۹۲۹ھ تا ۹۳۲ھ
۱۸۔ کلیم اللہ	۹۳۲ھ

سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالیخاندان امیر تھا

ملک ہزبر الدین ظفر خاں، سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا ۶۹۹ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اُن کی مدافعت کرتا ہوا عین معرکہ میں شہید ہوا[۱] اس کے دو بھانجے تھے علیشاہ اور حسن بہمنی[۲] یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے اُمرائے صدہ میں شامل تھے۔ اور انھیں سلطان نے اپنے اُستاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا ۷۴۶ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کردی قتلغ خاں نے اسپر چڑھائی کی۔ بیدر میں لڑائی ہوئی قتلغ خاں نے اسے قید کرکے بادشاہ کے پاس بھیجدیا بادشاہ نے اسکا قصور معاف کرکے غزنین کیطرف جلاوطن کردیا[۳]

دکن کی بغاوت اور سلطنت بہمنیہ کا قیام

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد اُمرائے دکن نے باہم اتفاق کرکے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کردی۔ گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصر الدین کا خطاب دیکر بادشاہ بنالیا۔ دوسرے اُمرا بھی ملک کے

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۵۹۔ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۰۳ [۲] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۳۵

[۳] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۴۸۲ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۱۰۰ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۳۹

مختلف حصوں میں خود سر ہو گئے حسن بہمنی نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے ہیکری۔ رائچی باغ مرچ۔ کلہر۔ گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ دو سال تک بازار کارزار گرم رہا ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہوا لشکر سلطانی ہزیمت اُٹھا کر فرار ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز تک عیش و عشرت کے جشن مناتے رہے۔ اسی اثنا میں امیر ناصر الدین

سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ

اسمٰعیل نے بادشاہت کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرا نے اتفاق کر کے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اسکے نام کا خطبہ پڑھوایا ؎۱

حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاء الدین بہمن شاہ اپنا لقب اختیار

سلطنت بہمنیہ کی وسعت

کیا۔ اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کر کے اُسے اپنا دار الحکومت بنایا۔ اسکی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی زمانۂ مابعد میں اسکے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی علاء الدین احمد شاہ نے کوکن کو فتح کیا۔ شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی محمد شاہ کے زمانہ میں اڑیسہ اور کانجی ورم مسخر ہوئے۔ بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی۔ ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر تک وسیع ہو گئی۔ بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے "مدمقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے مشاغل علمیہ

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدردان تھے

؎۱ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۷۵

محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ ۷۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فیض اللہ انجو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے اسکے دربار میں عہدہ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن میں بُلوایا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب نے بحری سفر سے خائف ہوکر آنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے از راہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی انکے یہاں روانہ کئے۔

فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا، تفسیر، اصول، اور حکمت طبعی ونظری میں یدطولیٰ رکھتا تھا عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا۔ علم ہئیت سے اسے بڑی دلچسپی تھی سنہ ۸۱۰ھ میں مقام دولت آباد ایک رصدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گاذرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علما مامور کئے تھے خواجہ بندہ نواز سید گیسو دراز اسی کے زمانہ میں گلبرگہ تشریف لائے تھے،

احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ ۸۳۸ھ) کے دربار میں بڑے بڑے علما جمع تھے مثلاً مُلّا عبد الغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رُخ کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدّت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمایش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اسکا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہوگئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زاد راہ کے لئے عطا کئے۔ بہمن نامہ ادھورا رہ گیا تھا، ملا نظیری سامعی وغیرہ نے اُسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات بڑھا کر کتاب کو ختم کر دیا۔

محمود گاواں محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ ۸۸۷ھ) کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا۔ علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ سید العلما وسلامت اللہ او حدی۔ شمس الدین سامی۔ عبد الکریم ہمدانی۔ ملا نظیری۔ اسکے ندیمان دربار سے تھے۔ مشہور شاعر ملا عبد الرحمٰن جامی کو اسنے بیدر میں بلوایا تھا۔ لیکن انھوں نے آنے سے معذرت کی

اور ایک مطول قصیدہ اسکی مدح میں لکھ کر بھیجدیا جسکا ایک شعر یہ ہی۔

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا الصلا کز جان و دل نزل تو کردم الصلا

انقراض سلطنت بہمنیہ سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ برسر حکومت رہے۔ اسکے بعد انحطاط شروع ہوا محمود شاہ کے زمانے سے صوبہ داروں نے خودسری شروع کردی ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہو گیا اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قائم ہو گئیں، برار میں عماد شاہی۔ احمد نگر میں نظام شاہی بیدر میں بریدشاہی بیجاپور میں عادل شاہی۔ گولکنڈہ میں قطب شاہی،

سلطنت بہمنیہ کے مختلف باشندے اور اُن کی زبانیں، سلطنت بہمنیہ میں جو مسلمان آباد تھے مورخ فرشتہ نے انکے تین گروہ بیان کئے ہیں،

(۱) دکنی۔ انسے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاءالدین خلجی کے زمانہ میں یا اسکے بعد عساکر اسلامی کے ساتھ ہندوستان سے آکر دکن میں آباد ہوئے اور یہاں انکی دو تین پشتیں گزر گئیں۔ یہ لوگ دکنی اُردو بولتے تھے۔

(۲) غریب (پردیسی)، یعنے وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی سید تھے ان کی زبان بالعموم فارسی تھی،

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنے ابی سینیا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے سے دکن میں آئے تھے اور ان کی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے،

ملک کے اصلی باشندے انکے علاوہ تھے سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد۔ گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹے میں واقع تھے اور یہاں کے

باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔ یہ زبان جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور پارتھیس زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی،

سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکنی تھی

غریبوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں ان کی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا۔ دکنیوں کی زبان اُردو سے کوئی جداگانہ زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے مسلمان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں اور اسکے بعد ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن امتداد زمانہ کے باعث آب وہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط وضبط نے اسمیں بتدریج فرق پیدا کردیا اور یہ فرق سو سال کے اندر اندر اسقدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے باسانی ممیز ہونے لگیں۔ اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہوگئیں۔ ہندوستان کی زبان اُردو اور دکن کی زبان دکھنی کہلانے لگی۔

عہد بہمنیہ کے دکھنی مصنف

اُردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف اسکے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کرلی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا۔ اسوقت تک دکنی زبان کی جسقدر تصنیفات معرض تحقیق میں آئی ہیں۔ ان میں شیخ عین الدین گنج العلم کے رسالے سب سے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عین الدین گنج العلم اور انکی دکھنی تصنیفات

شیخ عین الدین گنج العلمؒ۔ دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ آپ ۷۰۶ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے۔ وطن سے نکل کر گجرات وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے۔ اسوقت یہ شہر سلطان محمد بن تغلق ۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ کا دارالسلطنت تھا اور یہاں بڑے بڑے اکابر وشیوخ جمع ہوگئے تھے مثلاً

سید خوندمیر علاء الدین حسینی چپوری جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے۔ شیخ شمس الدین، لامغانی جنھوں نے شیخ بہاء الدین زکریا سے فیض حاصل کیا تھا۔ شیخ منہاج الدین تیمی الانصاری وغیرہ شیخ عین الدین سید خوندمیر کے مرید ہوئے۔ شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ شیخ منہاج الدین سے فیض روحانی حاصل کیا۔ اسکے بعد ۷۳۰ھ میں عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت دراز مقیم رہنے کے بعد ۷۴۰ھ میں بیجاپور میں آئے دکن میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ (۷۴۸ھ ۷۵۹ھ) اور اسکے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ ۷۹۹ھ) کے عہد میں، ۲۰ جمادی الاول ۷۹۵ھ کو انتقال فرمایا۔ آپنے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں میں انکی تعداد (۱۳۲) ایک سو بتیس تحریر ہے[1]

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک مشہور تاریخ ہے، اس میں سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۴ھ ۶۶۴ھ) تک سلاطین ہندوستان کے حالات تحریر ہیں،

شیخ عین الدین نے اسکا تکملہ لکھا ہے اور اسمیں اپنے زمانہ تک کے حالات قلمبند کئے ہیں مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اسکا نام ملحقات طبقات ناصری لکھا ہے[2]

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے۔ اسمیں آپنے اکابر اولیاء کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔

آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے اسکے اوراق کی

---

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۲ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم صفحہ ۵۶

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲

مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض وسنن کے متعلق مختلف احکام ومسائل تحریر تھے،

حضرت خواجہ بندہ نواز رح

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز رح خواجہ نصیر الدین رح چراغ دہلی کے اعاظم خلفاء سے تھے آپ ۸۰۱ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶ ذی القعدہ ۸۲۵ھ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپ نے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اسمیں بیان کئے ہیں۔ علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلاباذی المتوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف شیخ عبد الکریم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محی الدین ابن العربی المتوفی ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلےٰ ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ صاحب نے انپر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں انکے علاوہ آپکی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے اسمیں تصوف کے اسرار وحقائق تحریر ہیں

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف وحدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے گاہے گاہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں[1]۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے انکے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے

حضرت خواجہ بندہ نواز کی دکنی تصنیفات

مریدوں کی فرمائش پر آپنے چھوٹے چھوٹے متعدد رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے تھے منجملہ ان کے معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں۔ اور عشق نامہ میں انکا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے،

رسالہ ہفت اسرار

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے آپکے ایک مرید نے انکی ایک مبسوط شرح لکھی اور اسکا نام ہفت اسرار رکھا۔

[1] روضۃ الاولیا صفحہ ۲۳

نشاط العشق کا دکھنی ترجمہ

سید محمد عبداللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ آپ نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضؓ کے رسالہ نشاط العشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور اسکی شرح لکھی تھی اسکا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں موجود تھا[1]

مُلا نظیری بہمنیوں کے عہد میں اُردو شاعری کا کیا حال تھا۔ اسکا پتہ چلانا دشوار ہے۔ صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ انکا دار الحکومت جسوقت حسن آباد گلبرگہ سے احمد آباد بیدر میں منتقل ہوا تو انکے دربار میں اُردو شعر و سخن کو رواج ہوگیا تھا۔ بیدر کے پانچویں بادشاہ سلطان محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) کے عہد میں محمد تقی نام فارسی کا ایک زبردست شاعر گزرا ہے اسکا تخلص نظیری تھا۔ اور اسنے ملا آذری اسفراینی کے بہمن نامہ کا تکملہ لکھا ہے[2]۔ اور ہمایوں شاہ بہمنی کے مارے جانے پر جو تاریخ کہی ہے وہ بھی نہایت مشہور ہے[3] اور اُسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے

ہمایوں شاہ مُرد و دور خوش گشت   تعالے اللہ زہی مرگِ ہمایوں،

جہاں پُر ذوق شد تاریخ مرگش   ہم از "ذوق جہاں" آرید بیروں

نظیری اردو میں بھی شعر کہا کرتا تھا، ملا محمود بن ابراہیم بیدری نے معدن الذہب کے نام سے ایک کتاب سلطان محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کے عہد میں لکھی ہے جسمیں علما و فضلا اور شعرا و ادبا کے لطائف و ظرائف مذکور ہیں اسمیں ایک لطیفہ کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے نظیری کا حسب ذیل ہندی شعر بھی نقل کیا ہے

دیں شیخ و برہمن نے کیتا یار فراموش
ہن تسبی فراموش ہن زنار فراموش

---

[1] فہرست کتبخانہ ٹیپو سلطان ص ۱۸۴

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۲۶ خزانہ عامرہ ص ۲۲

[3] ہفت اقلیم ص ۶۵

سلطنت گجرات

سنہ ۷۹۹ھ سنہ ۹۸۰ھ

(۱)	مظفر شاہ اول	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۸۱۴ھ
(۲)	احمد شاہ اوّل	سنہ ۸۱۴ھ	سنہ ۸۴۶ھ
(۳)	محمد شاہ اول	سنہ ۸۴۶ھ	سنہ ۸۵۵ھ
(۴)	قطب الدین احمد شاہ	سنہ ۸۵۵ھ	سنہ ۸۶۳ھ
(۵)	داؤد شاہ	سنہ ۸۶۳ھ	
(۶)	محمود شاہ اول	سنہ ۸۶۳ھ	سنہ ۹۱۷ھ
(۷)	مظفر شاہ ثانی	سنہ ۹۱۷ھ	سنہ ۹۳۲ھ
(۸)	سکندر شاہ	سنہ ۹۳۲ھ	
(۹)	محمود شاہ ثانی	سنہ ۹۳۲ھ	
(۱۰)	بہادر شاہ	سنہ ۹۳۲ھ	سنہ ۹۴۳ھ
(۱۱)	میران محمد شاہ (والی خاندیس)	سنہ ۹۴۳ھ	سنہ ۹۴۴ھ
(۱۲)	محمود شاہ ثالث	سنہ ۹۴۴ھ	سنہ ۹۶۱ھ
(۱۳)	احمد شاہ ثانی	سنہ ۹۶۱ھ	سنہ ۹۶۹ھ
(۱۴)	مظفر شاہ ثالث	سنہ ۹۶۹ھ	سنہ ۹۸۰ھ

سلاطین گجرات

گجرات ہندوستان اور دکن کے مابین جانب مغرب ساحل سمندر پر واقع ہے اسکو پہلے پہل سلطان علاء الدین خلجی کے سپہ سالار الغ خاں نے سنہ ۶۹۹ھ میں فتح

گیا۔ اسکے بعد تقریباً سو سال تک یہ ملک سلاطین دہلی کے قبض و تصرف میں رہا۔ یہاں تک کہ ظفر خاں کو یہاں صوبہ داری ملی اور اسنے سلاطین دہلی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر خود مختار ہونے کے بعد اپنی جدید سلطنت قایم کرلی،

سلاطین گجرات کی حکومت ابتدا میں صرف گجرات تک محدود تھی لیکن بعد میں بعض اُلوالعزم فرمانرواؤں کی کوشش سے اسمیں بہت کچھ وسعت ہوگئی۔ مغرب میں کاٹھیاوار کا ملک شمال اور جنوب میں مالواڑ اور کوکن کے بعض علاقے ان کے تصرف میں آگئے۔ اور دورِ اختلال کی ممتاز حکومتوں میں اسکا شمار ہونے لگا۔

یہ حکومت تقریباً ایک سو بیاسی سال قایم رہی۔ یہاں تک کہ ۹۸۰ھ میں اکبر نے احمد آباد فتح کرلیا۔ اور گجرات سلاطین مغلیہ کے قبضہ میں آکر سلطنت دہلی میں ملحق ہوگیا۔

اہل گجرات کے مشاغل علمی

گجرات چونکہ سمندر سے ملا ہوا تھا، اسلئے ایران و عرب و مصر کے باشندے اس ملک میں ہمیشہ آیا جایا کرتے تھے ان تعلقات نے گجرات کو ارباب فضل و کمال کا مرکز و مرجع بنادیا تھا اور علماء و محدثین کی جماعت کثیر بلاد اسلام سے آکر یہاں آباد ہوگئی تھی۔ ان نو واردوں میں محدث وجیہ الدین مالکی شیخ شمس الدین سخاوی کے شاگرد تھے۔ اِنھیں شاہان گجرات نے ملک المحدثین کا خطاب دیا تھا[1]۔ شیخ شہاب الدین مصری بھی جو شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد ہیں۔ احمد آباد میں آکر مقیم ہوگئے تھے۔ انہوں نے سلاطین گجرات کے نام پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں[2]۔ امام بدرالدین دمامینی ۸۲۰ھ میں مصر سے گجرات آئے۔ اور سلطان احمد شاہ کی فرمائش سے صحیح بخاری اور مغنی اللبیب کی تعلیقات لکھیں[3]۔

علمائے گجرات میں شیخ علاء الدین علی المہائمی خاص شہرت رکھتے ہیں ۸۳۵ھ میں آپکا انتقال ہوا ہے تبصیر الرحمٰن کے نام سے آپنے ایک ضخیم تفسیر تصنیف کی ہے۔ اسکے علاوہ شیخ الاکبر ابن عربی کی فصوص اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف پر شرح بھی لکھے ہیں[4]۔

---

[1] نورالسافر ۱۲ [2] نورالسافر ۱۲ [3] بستان المحدثین ۱۲ [4] سبحۃ المرجان۔ مآثرالکرام صفحہ ۱۸۹

شیخ رکن الدین ناگوری نہر والہ کے مفتی تھے انھوں نے قاضی القضاۃ شیخ جمال الدین اکرم کی فرمایش سے فتاوای حمادیہ تصنیف کی جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہی،

قاضی جگن گجرات کے مشاہیر فضلے ہیں انھوں نے فقہ احناف کے متعلق جمیع احادیث کو جمع کیا ہے۔ اور اسکا نام خزانۃ الروایات رکھا سنہ ۹۲۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہی۔

شیخ محمد طاہر پٹن کے باشندے تھے انھوں نے بحار الانوار کے نام سے حدیث کا ایک مبسوط لغت لکھا ہی علاوہ اسکے اسماء الرجال اور احادیث موضوعہ کی نسبت بھی دو بیش بہا کتابیں تصنیف کی ہیں۔

مفتی قطب الدین نہر والہ کے باشندے تھے۔ حجاز میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں الاعلام کے نام سے بیت اللہ کی ایک تاریخ لکھی جو یورپ میں چھپی ہی۔

گجرات میں زبان اردو

اردو زبان دکن میں آنے کے بعد دکنی کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور جب گجرات میں پہونچی تو اسکا نام گوجری یا گجراتی مشہور ہوا۔ چنانچہ ملفوظات سید علی گام دھنی کے دیباچہ میں جامع نے لکھا ہے۔

در بیان توحید و اسرار بالفاظ گوجری بطریق نظم فرمودہ بود،

شیخ خوب محمد چشتی نے امواج خوبی کے دیباچہ میں لکھا ہی۔

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است ہمچناں گفتم،

اہل بیجاپور اس زبان کو ابتداء میں گجراتی کہا کرتے تھے چنانچہ شاہ برہان الدین جانم جو بیجاپور کے ایک قدیم مصنف ہیں اپنے رسالہ حجت البقا میں فرماتے ہیں،

جے ہو دیں گیان بچاری ‌ ‌ ‌ ‌ نا دیکھیں بھاکا گجری

اہل گجرات نے نویں صدی کے اواسط ایام سے اس زبان میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور ان کی تصنیفات سے جو چیزیں اسوقت میسر آتی ہیں اُن میں سب سے قدیم شیخ بہاء الدین باجن کا کلام ہے۔

لہ مآثر الکرام صفحہ ۱۹۴ سبحۃ المرجان

شعرائے گجرات

شیخ بہاءالدین باجن

مشاہیر اولیا سے ہیں ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے مشہور محدث شیخ علی المتقی کے مرشد اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے مُرید تھے عرب وایران کی سیاحت سے واپس آکر اپنے پیر کے فرزند شیخ رحمتہ اللہ متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی اور انکی وفات کے بعد ۸۹۹ھ کے قریب خاندیس میں آکر برہان پور میں مقیم ہوگئے اور اسی جگہ ایک سو بائیس سال کی عمر میں ۱۴ ذیقعدہ ۹۱۲ھ کو انتقال کیا شاہ بازار میں آپ کا مقبرہ ابتک موجود اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے باجن تخلص تھا۔ آپ نے ایک کتاب خزانۂ رحمت کے نام سے لکھی ہے۔ اسمیں اپنے مرشد کے ملفوظات وارشادات جمع کئے ہیں۔ اور جگہ جگہ اپنے ہندی کلام کو اس میں نقل کیا منجملہ انکے ایک دوہرہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

سنڈل من میں دھمکے   رباب رنگ میں جھمکے

صوفی اُن پر ٹھمکے

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

اخبار الاخیار صفحہ ۲۶۷ ۔ تاریخ برہان پور صفحہ ۔ آثر الکرام صفحہ ۱۹۲ شیخ عزیز اللہ متوکل گجرات کے مشاہیر اولیا سے ہیں شادی آباد منڈو ان کا وطن ہے سلطان احمد شاہ کے زمانہ میں گجرات آئے ۔ اور اُسی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ احمد آباد کے باہر میدان پورہ میں مدفون ہوئے ۔ آپ کے فرزند شیخ رحمتہ اللہ سلطان محمد بیگڑہ کے مرشد تھے ۲۰ جمادی الثانی ۸۹۰ھ کو فوت ہوئے ۔ احمد آباد کے قریب شیخپور میں آپ کا مقبرہ و مسجد موجود ہے مرآۃ احمدی صفحہ ۱۱ صفحہ ۵۲

سیّد شاہ علی الحسینی گانوں دھنی

گجرات کے سادات رفاعیہ سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتا ہے۔ گانوں دھنی آپ کا لقب ہے جسکے معنی ہیں "گانوں کا مالک"
۱۴ جمادی الاخریٰ ۹۷۳ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ احمد آباد میں اندرون حصار دروازہ، رائے گیر کے قریب سلطان شاہ غزنی کی گنبد کے پاس آپ کا مزار واقع ہے۔ صاحب مخبر الواصلین نے آپ کی تاریخ وفات حسب ذیل منظوم کی ہے،

سید بے نظیر شاہ علی	مظہر ذات پاک لم یزلی
صاحب فیض بود آں فیاض	مصدر کشف بود آں مرتاض
نسخہ فارسی وہم عربی	کرد تالیف از خدا طلبی
باز در اصطلاح گجراتی	گفت سر صفاتی و ذاتی
جانب خلد و جنت اعلےٰ	شد بماہ جمادی الاُخرےٰ
سال نقلش ازیں سرا چو رشت	خردم گفت "نور اوج بہشت" ۹۷۳
مرقد او با حمد آباد ست	جائے فیض و مقام ارشاد ست

آپ کا ہندی کلام گجرات میں نہایت مقبول ہے اہل گجرات اُسے دیوان مغربی کے ہمپایہ سمجھتے ہیں مصنف مرأۃ احمدی نے لکھا ہے۔

دیوانے دارد بزبان ہندی در روش و معنی برابر دیوان شیخ مغربی ست "

آپ کے پوتے سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ مصطفےٰ بن سید شاہ علی حسینی نے اِسے بصورت دیوان مرتب کیا اور اسکا نام "جواہر اسرار اللہ" رکھا اس میں قطعات و فردیات ہیں جنھیں جامع نے نکات و مکاشفات کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۲۴۶ھ میں مبئی میں

طبع ہوا ہے۔ اسکے پہلے اور دوسرے نکتے بطور نمونہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں،

آبیں کھیلوں آپ کھلاؤں　　　آبیں آپس سے کل لاؤں

میرا ناؤں مجھے ات بھائے　　　میرا جیو مجھے پر جاسے
میں آئینہ ۔ مجھ سوں ماٹے　　　دُہری اَپنیں رُوپ لبھائے

امین (۱)

گجرات کا درباری شاعر ہے۔ سکندر منجھو نے اسکا نام ملک امین کمال لکھا ہے سلطان بہادر (۹۳۲ھ – ۹۴۳ھ) اور محمود شاہ ثانی (۹۴۳ھ – ۹۶۱ھ) کے ندیمان خاص سے تھا لطائف اور بدیہہ گوئی کے حکایات مرآۃ سکندری میں مذکور ہیں۔ گجرات کے مشہور بزرگ شاہ عالم سراج الدین سید محمد حسینی ([illegible]) سے اسکو خاص ارادت تھی، اسنے بہرام گور اور حسن بانو کے حسن و عشق کا فسانہ نظم کرنا شروع کیا تھا۔ جو نصف سے زیادہ انجام پاکر ناتمام رہگیا تھا لیکن بعد میں ایک دوسرے شاعر نے جسکا تخلص دولت ہے۔ اسے تمام کیا۔ اختتام کی تاریخ یوم جمعہ یکم شعبان [illegible] ہجری ہے۔

ابتدائی حصہ میں کئی جگہ امین نے اپنا تخلص بیان کیا ہے۔

امیں حمد حق کر تو بے انتہا　　　بہ نعت محمد قلم کو چلا
امیں آستانوں کی اب خاک ہو　　　حشر کے عذابوں سے بیباک ہو

حمد و نعت کے بعد امین نے اپنے مرشد شاہ عالم کا اس طرح ذکر کیا ہے،

امیں شاہ عالم ہمارے جو پیر　　　وہی روز محشر اندر دستگیر

دولت نے اسکے تمام کرنے کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے،

۱؎ مرآۃ احمدی جلد دوم صفحہ [illegible] مفتاح التواریخ صفحہ ۱۷۱

میں نے رکھا تھا اسے ناتمام — بزاں اسکو دولت کیا اختتام
سنہ یک ہزار اور پنجاہ میں — جمعہ روز شعبان اول ماہ میں

ابتدا اسکی حسب ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

الٰہی جہاں کا کرن ہار توں — غریبوں یتیموں کا اودھار توں

مراۃ سکندری منٹ۲ صد۱۳۴ بلوم ہارٹ مخطوطات برٹش میوزیم نمبر۳۴ قصۂ بہرام گور اور حسن بانو سنہ ۱۳۰۰ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے،

شیخ خوب محمد چشتی

گجرات کے مشہور بزرگ ہیں۔ شیخ کمال الدین محمد سیستانی کے مُرید تھے ۲۴ شوال سنہ ۱۰۲۳ھ کو آپنے انتقال فرمایا۔ چوک احمد آباد میں فرحت الملک کی مسجد کے قریب آپ کا مزار زیارتگاہ خاص و عام ہے کسی معاصر نے ذیل کے فقرے سے تاریخ وفات نکالی ہی "خوب تھے"

آپ کی تصنیفات سے تصوف میں تین کتابیں مشہور و متداول ہیں۔ شرح جام جہاں نما، امواج خوبی۔ خوب ترنگ، پہلی دو کتابیں فارسی میں اور تیسری کتاب ہندی زبان میں لکھی گئی ہے۔

خوب ترنگ صوفیانہ مثنوی ہی۔ مصنف نے اپنے مرشد شیخ کمال الدین محمد سے جو ارشادات سُنے تھے، اُنھیں اس کتاب میں منظوم کیا ہے۔ دوشنبہ کے روز دوم شعبان سنہ ۹۸۶ھ کو اس مثنوی کی ابتداء ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ سب واقعات مصنف نے دیباچہ میں بیان کئے ہیں۔

وارث محمد ہر ہر ٹھاؤں — شیخ کمال محمد ناؤں
اُن تھیں میں سُنیا دن رات — اُس موں یاد رہے کچھ بات
دجیو منجکوں آئی ترنگ — جمع کئے یہ تس تس ڈھنگ
خوب ترنگ اس دیا خطاب — مدح رسول اللہ باب

نسخہ کی تاریخ اس بھتا نہ | پائے عدد ہر مصرعے مانہ
خوب محمد کئے بچار | چودہ گھاٹ اُس برس ہزار
دو جا چاند تھا شعبان | دن دوشنبہ کیا بیان

مصنف ہی نے نثر فارسی میں اسکی شرح لکھی اور امواج خوبی اسکا نام رکھا ہے۔ یہ شرح جیساکہ دیباچہ کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۱۰۰۹ھ میں تمام ہوئی ہے

شمار سال شرح نعت احمد | دہم سال از دہم عشر از دہم صد

دیباچہ کے بعد عنوان ذیل کے ساتھ شرح کا آغاز ہوا ہے

آغاز خوب ترنگ با ترجمہ شرح نا کہ مسمیٰ است با امواج خوبی از بعضے منقولات حضرت شیخ کمال محمد رحمہم اللہ در معارف محمدیہ علیہ السلام،

مصنف نے دیباچہ میں مثنوی اور شرح دونوں کے ناموں کی اسطرح صراحت کی ہے، اور مثنوی کی زبان کو عربی اور فارسی آمیز گجراتی بیان کیا ہے۔

این مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ دادم، و شرح آں مثنوی کہ فارسی است امواج خوبی نام نہادم"

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز ست ہمچناں گفتم،

محمد عاصم نام ایک بزرگ بُرہان پور میں گذرے ہیں۔ یہ صاحب شیخ نور اللہ رمز الٰہی خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کے مُرید تھے۔ نظم فارسی میں خوب ترنگ کا شعر بشعر ترجمہ کیا اور نغمات حیات اسکا نام رکھا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۱۶۵ھ میں تمام ہوا،

نام او از غیب آمد خوب ترنگ | شرح او امواج خوبی بیدرنگ
بود آں امواج خوبی چوں بہ نثر | عاصم آوردہ بنظم از راہ فکر
بود عاصم بے خبر از نظم و نثر | لیک آبستن شد او را بکر فکر
در ہزار و یکصد و ہم شصت و پنج | گشت ظاہر ایں لآلی گنج گنج

اس ترجمہ میں اصل ہندی مثنوی کی تاریخ تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

ہست تاریخ شروع مثنوی ۔۔۔ کہ بود اندر عبارت ہندوی

چاردہ کم بود در سال ہزار ۔۔۔ ابتدا شد نسخہ از روئے شمار

دوم شعبان بود دوشنبہ روز ۔۔۔ شد شروع این نسخہ این دلفروز

شیخ محمد مخدوم نام ایک بزرگ ارکاٹ کے رہنے والے تھے ۱۱۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے اور میلاپور میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے خوب ترنگ کے بعض مشکل ابیات کی شرح لکھی ہے۔ اور اسکا نام مفتاح التوحید رکھا ہے۔ اس کا ایک نفیس نسخہ حال میں ہم نے دیکھا ہے اسکے دیباچہ میں مصنّف نے اسکے نام اور کتاب کے موضوع کی صراحت اسطرح کی ہے،

"مفتاح التوحید در حل مشکلات و شرح معضلات مثنوی شیخ خوب محمد گجراتی"

اتھے نمبر ۲۰۰۶ صفحہ ۱۲۲۳۔ اسپرنگر صفحہ ۶۱۹۔ مراۃ احمدی جلد دوم صفحہ ۶۔ گلزار ابرار صفحہ ۱۴۵۔ اردو جلد نہم

شیخ کمال الدین محمد شیخ وجیہ الدین علوی کے شاگرد و خلیفہ تھے اور گجرات میں رہا کرتے تھے۔ سلطان مظفر شاہ سے کسی بات پر ناراض ہوکر گجرات سے مالوہ چلے گئے ۔ شنبہ کے روز دہم شعبان ۹۴۰ھ کو آپ نے بمقام اوجین انتقال کیا۔

اسپرنگر نے امواج خوبی کی تاریخ تصنیف ۹۹۰ھ بیان کی ہے جو غلط ہے۔ امواج خوبی اور نغمات حیات کے خوشخط نسخے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ فن تصوف ۱۵۲۰

امین (۲)

محمد امین نام ہے۔ گجرات کے باشندے ہیں، اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں انکا انتقال ہوا ہے۔ انھوں نے یوسف زلیخا کی داستان گوجری زبان میں منظوم کی ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۰۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ ضخیم کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا اسکے تین سو ورق تھے اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے،

اول تعریف سُن خالق کی لے یار — کہ دونوں جہاں کا ہو کر نہار

خاتمہ میں سنہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے۔

اگیارہ سو اُو پر جب نو گذرے — برس ہجرت محمد مصطفےٰ کے

امین نے اسکے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جو ۲۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۰۹۹ھ کو تمام ہوا ہے،

اول قصیدہ فارسی تھا	سو ھر یک جا گامنے
پیچھوں لکھیا دل گوجری	آیا امین کے دل بھیتر
جب یک ہزار اُوپر ہوئے	ہجری کے نود نو برس
تب اے جمادی الثانی میں	لکھیا قصیدہ از شکر
تاریخ بائیسویں آتھی	روزِ جمعہ پیدا ہوا،
بارے خدا کے فضل سوں	پورا کیا وقتِ سحر

اسپرنگر ص ۱۰۶ ۔ مثنوی یوسف زلیخا سنہ ۱۲۷۲ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے، قصیدہ کا قلمی نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے،

سلطنت قطب شاہیہ

سنہ ۹۱۶ھ - سنہ ۱۰۹۸ھ

(۱) سلطان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۵۰ھ
(۲) جمشید قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ	سنہ ۹۵۷ھ
(۳) سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	
(۴) ابراہیم قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	سنہ ۹۸۸ھ
(۵) محمد قلی قطب شاہ	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۲۰ھ
(۶) محمد قطب شاہ	سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۰۳۵ھ
(۷) عبداللہ قطب شاہ	سنہ ۱۰۳۵ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
(۸) ابوالحسن تانا شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۸ھ

سلطان قلی قطب شاہ بانیٔ سلطنت قطب شاہیہ کے آبا و اجداد اور انکی سلطنت ایران کا مختصر تذکرہ

آل چینگیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قایم کی تھی اُسے سلطان ابو سعید سنہ ۷۱۶ھ-۷۳۶ھ کے زمانے سے انحطاط شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے اُمراء و صوبہ داروں نے خود سر ہو کر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں فارس و کرمان پر آل مظفر سنہ ۷۱۳ھ-۷۹۵ھ نے قبضہ کرلیا عراق میں حسین جلائر نے خاندان ایلکانیہ سنہ ۷۳۶ھ-۸۱۴ھ کا سنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دار الحکومت قرار دیا خراسان کے باغی جنھوں نے اپنا لقب بر سر حکومت ہو کر سر بدار رکھا تھا سبزوار پر قابض ہو کر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب سلطنتیں امیر تیمور سنہ ۷۷۱ھ

۸۰۰ھ کے زمانہ تک قائم تھیں۔

دریائے وان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرا نشین قوم آباد تھی اُسکے دو طائفے تھے اور انکے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اِسلئے ان کا نام قراقیون لی اور آق قیونلی مشہور ہوگیا تھا۔ پہلا طائفہ قراقیون لی زیادہ طاقتور اور با اثر تھا اسکے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے ارتباط اتحاد قائم کرکے آرمینیہ اور آذربائیجان میں ایک حکومت قائم کرلی جس پر اسکی اولاد ۷۸۲ھ تک حکمراں رہی امیر تیمور نے یورش کرکے قرا یوسف (۷۹۱ھ ۸۰۳ھ ۸۲۳ھ) کے زمانے میں تمام ملک فتح کرلیا اور قرا یوسف فرار ہوکر مصر میں پناہ گیر ہوا اور ۸۰۷ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہوگیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس آکر اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد قزوین، ہمدان اور اصفہان فتح کئے ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قابض ہوگیا۔

قرا یوسف نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اسکے بعد اسکا لڑکا مرزا اسکندر بر سر حکومت ہوا اسنے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی ۸۴۱ھ میں اسکے بیٹے مرزا قباد نے اُسے مار ڈالا۔ مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوند، یار علی، قاسم بیگ، حسن بیگ، مرزا قباد باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی، بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ بر سر حکومت ہوا جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا۔ شاہ رُخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اسکا مطیع و فرمانبردار رہا ۸۵۰ھ میں جب اسکا انتقال ہوگیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کرلی اور شاہ رُخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کرلیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کرلیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے

عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنالیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ۸۶۱ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اسکی حکومت کو روزافزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اسکے استیصال کا ارادہ کیا لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ میں جہاں شاہ کو مار ڈالا۔ اور قراقویون لیوں کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اسکا لڑکا اویس قلی برسر حکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچیکہ قراقویونلی شہزادوں کا استیصال کیا لیکن پیر قلی اور اسکی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ لوگ بلا خرخشہ ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۴ھ میں سلطان یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو قراقویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انھیں چن چن کر قتل کرنا شروع کیا اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا۔ اللہ قلی اپنے

سلطان قلی بانیٔ سلطنت قطب شاہیہ کا ہمدان سے دکن میں آنا

بھتیجے سلطان قلی کو لیکر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے سے دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہونچا محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا۔ اور اُسے شاہی چیلوں میں شامل کرکے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ بادشاہ کو جب اسکی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۲۴ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہو گیا اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاکر دوسرے صوبہ داروں نے خودسری اختیار کرلی تو سلطان قلی نے بھی

سلطنت قطب شاہیہ کا قیام اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا سلطان قلی کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کم و بیش دو سو سال حکومت قایم رہی ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے گولکنڈہ کو فتح کر لیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ (۹۵۰ھ - ۹۵۷ھ) کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی تھی ملا محمد شریف وقوعی اسکے دربار کا ملک الشعرا تھا جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا، اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خور شاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اسکے ندیمان خاص سے تھا۔ اسنے اپنے آقا کی فرمایش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جسمیں ابتداء تخلیق عالم و آدم سے ۹۷۰ھ تک حالات تحریر ہیں۔ یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے پہلے مقالے میں قدیم سلاطین ایران و روم و یمن کے حالات ہیں۔ دوسرے مقالے میں جناب رسالت مآب اور آپ کے خلفاء اور خلفاء بنو امیہ و بنو عباس کا تذکرہ ہے۔ تیسرے مقالے میں ان سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ کے معاصر تھے۔ چوتھے مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے۔ پانچویں مقالے میں امیر تیمور اور اسکی اولاد کا تذکرہ ہے۔ چھٹے مقالے میں طوائف قراقویونلی و آق قویونلی اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں۔ ساتواں مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے۔ آٹھویں مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے، مورخ فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے[1]۔ برٹش میوزیم میں اسکا بہترین نسخہ موجود ہے[2] موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اسکا انتخاب شامل کیا ہے۔ اور اسکے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی مفصل کیفیت لکھی ہے[3]۔

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۱۶۷ — [2] ریو جلد اول ص ۱۱۲

[3] کرسٹمائی دی پرسان جلد دوم

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدردان تھا اسکے زمانے میں گولکنڈہ اہل علم کا مرجع ہوگیا تھا میر محمد مومن استر آبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اسی کے زمانے میں دکن میں آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قلی نے انھیں وکیل السلطنۃ مقرر کر دیا تھا کتاب الرجعت اور کتاب المقادیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے انکا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[۱]

مرزا محمد امین شہرستان کے سادات سے تھا اسکے دربار میں میر جملہ کی خدمت پر مامور تھا یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا۔ بادشاہ کی فرمائش سے اپنے خمسۂ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیریں خسرو، لیلی مجنوں، فلک البروج، مطمح الانظار یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ اسکے اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اسکا نام رکھا ہے۔ یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے[۳]۔

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اسکو سیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اسکے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھدیا کرتا تھا، شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصائد اور مناقب خوب لکھا کرتا تھا۔ اسنے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کی طرز پر لکھوائی ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے اسکے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ کے آباؤ اجداد کا تذکرہ ہے۔ چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی، جمشید قلی، ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے[۵]۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۱۸۱ [۲] حدیقۃ العالم جلد اول ص۲۵۵ [۳] اتھے نمبر (۲۸۹۲)
[۴] ریو صفحہ (۶۷۶) [۵] ایتھے نمبر (۲۸۹۷) [۶] ریو جلد اول ص۳۲۲

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علم دوست اور ارباب کمال کا قدردان بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اسکے دربار میں سفارت وپیشوائی کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ بزرگ شیخ بہاء الدین آملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے انھوں نے کتاب الارشاد اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں اسکے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد تھیں[۱]۔ اس بادشاہ کی فرمایش سے ملا جمال الدین نے کفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی بن طیفور نے علامہ ابن بابویہ القمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا حسین آملی نے جو شیخ بہائی کے شاگرد تھے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے[۲]۔ فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[۳]۔ اسی بادشاہ کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سمنانی نے امام یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ کیا ہے[۴] ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جسکا نام حدیقۃ السلاطین ہے[۵]۔

بادشاہ کا داماد سید نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم ایسا جلیل القدر عالم تھا کہ اُسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اسکے ریاضیات کا بھی جیّد عالم تھا۔ اسنے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں جو شجرۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور انکا ایک مجموعہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

---

[۱] نجوم السماء صفحہ ۲۸
[۲] محبوب الالباب صفحہ ۱۱۲
[۳] ریو صفحہ ۵۰۰ جلد اول
[۴] ایتھے نمبر ۱۴۲
[۵] ریو صفحہ ۳۲۲

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اور اردو شاعری

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) اور اسکے دو جانشین سلطان محمد (۱۰۲۰ھ - ۱۰۳۵ھ) اور سلطان عبداللہ (۱۰۳۵ھ - ۱۰۸۳ھ) زبان اُردو کے صاحب دیوان شاعر تھے

کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ

سلطان محمد قلی کا دیوان ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اسمیں آدھے سے زیادہ اُردو کلام تھا۔ بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے۔ اسے سلطان کے بھتیجے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا[1]۔ اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اسکے متعلق مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے[2]۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے اسکے کم و بیش اٹھارہ سو صفحات ہیں ۱۰۲۵ھ میں اسکی کتابت ہوئی ہے۔ یہ نسخہ بھی سلطان محمد کا مرتب کیا ہوا ہے اور اسکے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے حسب ذیل عبارت لکھی ہے،

کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہ عمی عالیحضرت محمد قلی قطب شاہ نور اللہ مرقدہ تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب بتاریخ اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین اعنی بعد الف من الہجریہ فی دار السلطنت حیدرآباد حرس اللہ عن الآفات و البلاء کتبہ العبد المخلص لمولاہ سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تعالیٰ فیما تمناہ

---

[1] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۰۹۔ لسان العصر ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر (۳) ص ۱۸

[2] یہ مضمون رسالہ اُردو جلد دوم حصہ پنجم بابت جنوری ۱۹۲۲ء (ص ۱۰۱ تا ص ۱۳۶) میں شایع ہوا ہے۔ سلطان محمد قلی کے کلیات کی تمام کیفیت اسی مضمون سے ماخوذ ہے،

دیوان کی ابتدا میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں پچاس ہزار شعر کہے ہیں علاوہ اسکے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے۔ اِس دیوان میں پہلے مثنویاں ہیں انکے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثیے۔ مرثیوں کے بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں اور ان میں بالالتزام پہلے فارسی پھر دکنی کلام ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی، اے نے کلیات کو مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری اور اسکے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی اسکا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اسکے کلام کی نسبت مولوی عبدالحق صاحب کی رائے

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے خاصکر شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لیکر ہندوستان تک گھر گھر تھے بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے ساور ہر شخص جو شرافت کا دعوے رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا ہندوستان کے بادشاہ شعر و سخن کے قدر دان ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ یہ ہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادلشاہی بادشاہوں کا تھا تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام سے بھی اشعار درج ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اول ہے اسکے کلام کا مجموعہ اسقدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

"اگر دو ایک شاعروں کو مستثنے کر دیا جائے جنکا درجہ درحقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے یہاں کی عشقیہ شاعری میں کوئی بات نئی نہیں نظر آتی ہے۔ چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعرا کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر اور شستگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز ادا اور وہی بحریں ہیں اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اُردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے عشق و مستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے

کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے"۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے۔ جو اردو شعراء میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُسنے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت و مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً متعدد مثنویاں پھولوں میووں پر ہیں جنمیں ایران اور خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے۔ دو مثنویاں سبز ترکاری اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنھیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الٰہی محل خداداد محل باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریب، شب برات، میلادنبی، عید غدیر، ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے"[1]

"اگرچہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا پورا اتباع کیا ہے اور وہ اسقدر وسیع النظر ہے کہ عشق و محبت کے تنگ کوچے سے باہر نکل کر صنعت و قدرت کی خوبیوں کی داد دیسکتا ہے اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی بحیثیت شاعر ہونے کے خاص امتیاز اور وقعت رکھتا ہے وہ نہ صرف پہلا شاعر ہے جسنے اردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ لکھا بلکہ اُسنے حلقہ تقلید سے باہر نکلکر جسمیں اردو شاعری ابتدا سے مقید ہوگئی تھی۔ کسی قدر آزادی اور جدت کا مسلک اختیار کیا، اور اپنے مشاہدات کو کام میں لاکر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھیں جس سے اردو کے بعد کے شعرا بھی قاصر رہے"[2]

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ کا اردو کلام	سلطان محمد اور سلطان عبداللہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبداللہ ہے[3]۔ انکے فارسی

[1] حدیقۃ العالم جلد اول ص۲۹۰ [2] رسالہ اردو جلد دوم ص۱۰[3]

اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[1] اُردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے جسے ۱۰۹۵ھ میں اردستانی نے حیدرآباد میں مرتب کیا ہے اور اسکا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[2]

تاناشاہ بھی زبان اُردو کا شاعر تھا

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تاناشاہ کو بھی اُردو شعرا میں شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت انکے نام سے تحریر ہے[3]

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل جھپراٹ ہے

ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

عہد قطب شاہیہ کے اُردو شعر کہنے والے شعرا

گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اُردو کے بہت سے باکمال شاعر ہوئے ہونگے اسواسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس جانب ہوتا ہے۔ اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انکے حالات پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اسکے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے[4] نہایت جدوجہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں انکا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

قطب شاہی دور کے شعرا میں احمد، فیروز، محمود اور وجہی سب سے قدیم ہیں۔ ان میں ملا احمد سلطان محمد قلی قطب شاہ کا درباری شاعر ہے۔

ملا احمد ملا فیروز ملا محمود

ملا احمد نے بادشاہ کی فرمائش سے لیلی مجنوں کی داستان منظوم کی ہے[5]۔ اسکے خاتمہ میں شعر و سخن کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے اپنے دو معاصر شعرا فیروز اور محمود کا تذکرہ کرتا ہے پھولبن میں ابن نشاطی نے بھی انکی استادی کا اعتراف کیا ہے[6]

نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد | جو دیتے شاعری کا کچ میرے داد
رہے صد حیف جو نیں سید محمود | سکتے پانی کوں پانی دود کوں دُود

۱؎ حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۰۹ تا ص ۲۱۰ ۲؎ ایتھے نمبر (۴۰۰) ۳؎ گلشن ہند ص ۶۵ تذکرہ میر حسن ص ۶۵ گل رعنا ص ۲۰ ۴؎ گل رعنا ص ۲۶ ۵؎ اورینٹل میگزین جلد دوم نمبر اول ص ۲۰ ۶؎ بلوم ہارٹ مخطوطات انڈیا آفس نمبر ۱۲۲

ملا وجہی

وجہی بھی اسی عہد میں گزرا ہے۔ اسنے سلطان محمد قلی کی وفات سے دو سال قبل ۱۰۱۸ھ کے حدود میں ایک مثنوی لکھی ہے اور اُس میں مشتری کے ساتھ خود بادشاہ کی عشق و محبت کے حکایات بیان کئے ہیں۔ اسکی ابتداء ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

تو اول تو آخر تو قادر اہے — تو مالک تو ل باطن تو ظاہر اہے
تو مخفی تو مبدی تو واحد سچا — تو تواب تو رب تو ماجد سچا
تو باقی تو مقسم تو ہادی تو نور — تو وارث تو منعم تو بر تو صبور

خاتمہ میں سنہ تصنیف کا اسطرح ذکر آیا ہے،

تمام اس کیا دیس بارہ منے — سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے

ملا غواصی

ملا غواصی گولکنڈے کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے درباری شاعر ہیں، ملا نصرتی نے گلشن عشق میں انکا تذکرہ کیا ہے۔

بری پھر غواصی تبی کر خیال — کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ (سنہ ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۷ھ) بود طوطی نامہ نخجشی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بطور رکھیٹ کہانی سرسری دیدہ بودم شعر آں نظم یاد نیست،

ملا نظام الدین احمد شیرازی نے حدیقۃ السلاطین کے نام سے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تاریخ لکھی ہے۔ اُس میں ایک موقع پر غواصی کا تذکرہ بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو دربار کے دکنی شعراء میں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ ۱۱۔ ذی القعدہ ۱۰۴۰ھ کو بادشاہ کے محل میں شاہزادہ تولد ہوا تو غواصی نے کلمہ محفوظ باد سے اسکی تاریخ نکالی اور اُسے بادشاہ کے

ملاحظہ میں پیش کیا

"و بہ شکرانۂ این موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلماء و فضلاء و صلحا اکرام و احسان فرمودند و بفقراء و مساکین نقود لی خیاس بسیار تصدق نمودند و جمعی از شعراء تاریخہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رسانیدند۔ ازاں جملہ این تاریخ مرقوم گردید۔ اوّل تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است "آفتاب از آفتاب آمد پدید" و ملا غواصی کہ در شعر دکنی از امثال خود ممتاز است این کلمہ را مادۂ تاریخ ساختہ است "محفوظ باد"

۱۰۴۵ھ میں سلطان محمد عادل شاہ نے ملک خوشنود کو ایلچی بناکر گولکنڈہ بھیجا اسکے جواب میں سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو بیجاپور روانہ کیا اور کچھ عرصہ کے بعد غواصی بیجاپور سے واپس ہوا تو محمد عادل شاہ نے میر زین العابدین کو ساتھ کردیا اور اسکے ہاتھ بہت سے تحفے سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کئے۔ ملا نظام الدین احمد نے اس واقعہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے،

"و بعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تحفہ و یادگار روانۂ بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر شاہ ابو الحسن حاجب مقیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل بزرگ و شش سر اسپ عراقی و دو صندوق مقفل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشارٌ الیہما بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز گردیدند"

ملا غواصی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں موجود ہیں۔

(۱) فسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اس میں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور راجہ کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور غواصی کے

ایک عرصہ بعد اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خال کی فرمایش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا اور گلدستہ عشق نام رکھا۔ غواصی کی یہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے،

برس یک ہزار ہو پنج تیس میں — کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اسکی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی جلت کا الٰہی سو توں، — کرنہار جسم بادشاہی سو توں

ترے حکم تل نو کرا سمان کے — رعیت ملک تیرے فرمان کے

بھر یاتس کران پنج تارے حشم — کریں نوبتاں سوں النگ دمبدم

(۲) طوطی نامہ۔ ملا ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامے کا ترجمہ ہے اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ غواصی نے اسکے اختتام کی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

برس یک ہزار ہو چالیس پو نو — ہوئے تھے یو موتیاں پو رو یا ہوں تو

اسکے ابتدائی ابیات یہ ہیں۔

خدایا جو دانا ہے توں غیب کا — ہے ستار بندیاں کرے عیب کا

نہ آکار تجھ ہے نرا کار توں، — نہ چون و چرا سوں دھرے کار توں

ترے راز سوں کوئی آگاہ نیں — تصرف کو تیری طرف راہ نیں

حدیقۃ السلاطین صفحہ ۱۰۹ و صفحہ ۲۴۹۔ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۳۲۳ میر حسن صفحہ ۱۴۲ ڈی ٹاسی جلد اول صفحہ ۴۹۴ ولسن صفحہ ۳۸۶۔ ایتھے نمبر ۶۸۰۔ ریو جلد دوم صفحہ ۶۴۲ بلوم ہارٹ انڈیا آفس صفحہ ۹۹۔ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم صفحہ ۴۰ و صفحہ ۵۴۔ لسان العصر جلد اول نمبر سوم صفحہ ۱۲۰

مثنوی سیف الملوک ۱۲۹۱ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اسمیں اسکا تاریخی شعر اسطرح ہے۔

برس یک ہزار ہور سا دیس میں — کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۲۰ھ میں تمام ہوئی ہے۔ لیکن کئی وجوہ سے یہ تاریخ غلط ثابت

ہوئی ہے۔ اولاً یہ کہ ہمنے جسقدر قلمی نسخے اس مثنوی کے دیکھے ہیں ان میں یہ تاریخی مصرعہ اُسی طرح ہے جیسا کہ اصل مضمون میں اوپر نقل ہوا ہے۔ ثانیاً یہ کہ اسکے دیباچہ میں مصنف نے حکمران وقت سلطان عبداللہ قطب شاہ کی مدح لکھی ہے۔ یہ بادشاہ ۴ جمادی الاول ۱۰۳۵ھ کو تخت نشین ہوا ہے (دیکھو ہند کے کتبات اسلامیہ بابت ۱۹۱۵ء صفحہ ۴۰) اسلئے اس مثنوی کا سلطان عبداللہ کی تخت نشینی سے پہلے ۱۰۲۷ھ میں تصنیف ہونا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ہے

سید میران حسینی

سید میران حسینی گولکنڈہ کے مشائخین سے ہیں۔ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ ۵- جمادی الاول ۱۰۹۰ھ کو ان کا انتقال ہوا۔ گولکنڈے کے دامن میں لنگرحوض کے کنارے مدفون ہوئے۔

شاہ محمد جس کا تخلص جامی ہے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے اہل دربار سے تھا اسنے سنسکرت سے اخذ کرکے نظم فارسی میں کوک شاستر لکھی تھی۔ عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں سید حسین کی فرمائش سے جن کا لقب لاڑلے حسینی ہے سید میران نے نظم دکنی میں اسکا ترجمہ کیا اور تحفۃ العاشقین نام رکھا۔

فارسی کتاب کی ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے۔

کنم ابتدا من بنام خدائے — کہ پیداست از قدرتش دوسرائے

ترجمے کے ابتدائی ابیات یہ ہیں۔

خدا نام کرتا ہوں میں ابتدا — کہ قدرت سوں اسکے ہوے دوسرا
کروں ناز اُسی قدرت پاک پر — شرف دی سیہ خاک کوں سربسر
بہوت مہوشاں اُس نے پیدا کیا — خط دل پسند رنگ زیبا دیا
ہر یک صورت گل کوں دی رنگ و بُو — ہر یک کون دی اخلاق پاکیزہ خو

کتاب کی اصل تصنیف کی تاریخ اور اپنے نام کی صراحت سید میران نے ابیات ذیل میں کی ہے۔

لکھیا تھا جو جامی نے در فارسی　　لکھیا ہوں میں ہندی میں جب آرسی

هزار وسی ودو پنج میں یہ کتاب　　ہو ہندی زباں سوں ہوئی انتخاب

کہ میران حسینی میرا نام ہے　　مخلف مسمہ سنے عام ہے

تاریخ دکن صفحہ ۲۹۶ ریو جلد ۲ صفحہ ۶۸۸ ریو نے فارسی نسخہ کے مصنف کا نام محمد قلی جامی لکھا ہو اور اسے عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تصنیف بتایا ہو۔ لیکن یہ غلطی ہو۔

ملا قطبی

ملا قطبی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ انھوں نے ۱۰۴۵ھ میں تحفۃ النصائح کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ تحفۃ النصائح شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہو۔ یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مریدہیں۔ اور اپنے فرزند صدر الدین ابوالفتح کی تعلیم کیلئے ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہو۔ اس میں بینتالیس ابواب ہیں اور اُن میں فرائض و سُنن کے احکام و آداب منظوم ہیں۔ تحفۃ النصائح سات سو چھیاسی بیت کا ایک ہم قافیہ قصیدہ ہو۔ ملا قطبی نے اُسی بحر اور اسی قافیہ میں اسکا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے۔ فارسی قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

حمد بگویم بے عدد　　مر خالق جن و بشر
کردہ معلق آسماں　　ہم اختراں شمس و قمر
عظمے بدادہ عرش را　　پرّد ز پایش طائرے
چوں برق سالے چار صد　　انگہ رسد پایۂ دگر

اسکا ترجمہ ملا قطبی نے یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت | اس خالق جن و بشر،
نردھار کر اسمان رکھیا | سورج ستارے ہور چندر
جوں دی بزرگی عرش کوں | پنکھے اُرٹے یک پائیتے
جوں نیچ بر ساں چار سو | انپڑے بزاں پائے دگر

ترجمہ کے اختتام کی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

ہجرت تھے دس سو سال ہور | چالیس پر بھی پانچہ اَتھے
تب یہ مرتّب سب ہوا | تحفہ سو دکنی نامور

تحفہ کے ہمنے کئی نسخے دیکھے ہیں بعض میں قطبی تخلص ہے اور بعض میں رازی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا قطبی نے دو تخلص استعمال کئے ہیں۔ ذیل کے شعر سے قطبی تخلص ظاہر ہوتا ہے۔

نازش جہاں میں میں کیتا | کیتا بُرائی کے جو بھی
قطبی دھریا اُمید یو | لایا ہوں سب صاحب نظر

ذیل کی بیت میں رازی تخلص آیا ہے۔

بندیاں میں سب کم تر بندہ | رازی تخلص قطب کا
تحفہ کیا دکنی زبان | شہ کی رضا لے سیں دَہر

شیخ یوسف چشتی مصنف تحفۃ النصائح کے حالات کے لئے دیکھیے خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۶۶ اور تذکرۂ علمائے ہند صفحہ ۲۵۶ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سنہ وفات ۹۵۳ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔ کیونکہ تحفۃ النصائح اس تاریخ کے تقریباً اکیس سال بعد ۹۵۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

ابن نشاطی

ابن نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے

اسنے دو کتابیں لکھی ہیں اور انھیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہی۔

(۱) پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساتین کا منظوم ترجمہ ہی میجر اسٹوارٹ نے اسکا سن تصنیف سنہ ۱۰۵۹ھ بیان کیا ہے کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے سنہ ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہی۔ لیکن کتب خانۂ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی سنہ ۱۰۶۶ھ میں تمام ہوئی ہی۔ چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے۔ اسکے نام اور تاریخ تصنیف کی اسطرح صراحت کی ہے۔

صفا وار اسکی دیکھ ہر ایک چمن میں	رکھیا ہوں ناؤں اسکا پھولبن میں
اتھا تاریخ لایا توں یہ گلزار،،	اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار

اس مثنوی میں بادشاہ کی مدح کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

کروں تعریف میں اُس تاجور کا	سمجھتا ہے بجنے قیمت ہنر کا
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی	اچھو جم حق سوں اُسکی ہیش بازی

ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے۔

خداوندا تجھے ہے جم خدائی	ہمیشہ تجکوں سانجھے کبریائی

محمد ابراہیم بیجاپوری نے سنہ ۱۱۰۹ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکنی میں ترجمہ کیا ہی۔ اس کے دیباچے میں دکنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں جنمیں پھولبن کا نام بھی شامل ہی۔

حاجی خلیفہ نے بساتین کا نام لکھا ہے۔ یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہی۔ اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (۷۲۵ تا ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہی۔

(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہی۔ پروفیسر ڈی ٹاسی نے اسکا سنہ تصنیف سنہ ۱۰۴۹ھ بیان کیا ہی لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے سنہ ۱۰۶۴ھ میں اسکا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے،

ڈی ٹاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۸۰ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ع ۱۰۳ و ع ۱۲۲ ایتھے نمبر ۱۹۸۲

لسان العصر جلد ا نمبر ۳ ص۲۲۲ ترجمہ انوار سہیلی ص۱۱ حاجی خلیفہ جلد دوم ص۵ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اُردو کے نمبر ۱۶۰ پر اسکا ۱۱۹۱ھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہی۔ طوطی نامہ کیلئے دیکھئے دوسرا ضمیمہ

جُنیدی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اسنے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں اسکا ایک نسخہ موجود تھا۔ لیکن اسوقت کمیاب ہی۔ یہ مثنوی ۱۰۶۴ھ میں تمام ہوئی ہی اور مصنف نے اسکا سال التصنیف اسطرح بیان کیا ہی۔

نبی کی سو ہجرت کا یو تھا قرار ۔ چہار سال تین بیس بھی ایک ہزار

استوارٹ ص۱۷۹

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے اسنے ۱۰۸۱ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے جسمیں بہرام و گل اندام کا فسانہ مذکور ہی اور اسکا دیباچہ شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہی خاتمہ میں ابو الحسن تانا شاہ کی مدح و ستایش بیان کی ہے شاہ راجو حسینی گولکنڈے کے مشہور بزرگ ہیں خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے ۱۰۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے ابو الحسن تانا شاہ جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد و جانشین ہے آپ کا مرید تھا،

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودھواں بادشاہ ہے اسکے حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کئے ہیں اور انھیں ہفت پیکر و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہی ان ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں

الگ الگ رہتی تھیں،

طبعی نے اپنی مثنوی کو ہفت پیکر سے اخذ کیا ہی لیکن اسنے نظامی اور ہاتفی کی طرح اسکا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے۔ خاتمہ میں قصہ بہرام و گل اندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے،

الٰہی بحق کا مجھے تاب دے مری جیب کی تیغ کوں آب دے

اور حسب ذیل بیت میں تاریخ تصنیف مذکور ہے،

اتھا سال تاریخ کا خوب نیک سنہ یک ہزار و ہشتاد و ایک

اسپرنگر ص ۶۳۹۔ اسٹوارٹ ص ۱۷۰۹۔ ایتھے نمبر ۱۲۹۰۔ ڈی ٹاسی کا پانچواں خطبہ مشمولہ رسالہ اردو جلد سوم ص ۵۴۲

شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید جاہی ص ۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عتائق ایران جلد سوم ص ۳۴۷

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے۔ گجرات کے سادات سے تھے اور حیدرآباد میں رہا کرتے تھے سلطان ابوالحسن تانا شاہ (۱۰۸۳ھ - ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہی۔

نوری الیس کے دل کی کسی سے نہ کہہ سکتا حاصل بھلا اب اس سے دِوانے جو تھا سو تھا

ڈی ٹاسی جلد دوم ص ۴۵۸ میر حسن ص ۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ ص ۱۱۹

نوری دو بزرگوں کا تخلص ہی ایک نوری حیدرآبادی جنکا تذکرہ اوپر گزر چکا ہی۔ دوسرے نوری۔ اعظم پور کے باشندے تھے شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں انھیں ملا فیضی سے بیحد ربط و ضبط تھا۔ قایم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں میں انکا

ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹)

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد — بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

پروفیسر ہاسی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی وجہ سے سخت مغالطہ ہوا ہے اور نوری حیدرآبادی و نوری اعظم پوری دونوں کو ایک سمجھکر انکے حالات مخلوط کر دئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون زبان اُردو پر لکھا گیا ہے اسمیں بھی کاتب مضمون سے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ملا فیضی کا ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی صفحہ ۲۷۷ مآثر الکرام صفحہ ۱۹۹) ابو الحسن تاناشاہ کی تخت نشینی کے بعد ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدۂ وزارت ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۳۹۷) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت کے مابین اکیاسی سال کا زمانہ گزرا ہے اس طویل مدت کو طے کرکے فیضی کے دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابو الحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے تباہی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے ۱۰۹۴ھ میں اسنے قصۂ رضوان شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اسکا ایک قلمی نسخہ ۱۱۲۴ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فسانہ نثر فارسی میں تھا بعض دوستوں کی فرمایش سے فائز نے نظم دکھنی میں اسکا ترجمہ کیا۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اول نام حق کا لے بولوں سخن — بندوں اسکی توحید کھولوں دہن

تاریخ تصنیف اسطرح بیان کی ہے۔

اتھا جس وقت سال ہجرت ہزار — اُس اوپر نود اُسکے اوپر چہار

مثنوی کا نام قصۂ رضوان شاہ رکھا ہے اور خاتمہ میں اسکا ذکر اسطرح کیا ہے۔

ہوا قصّہ رضوان شاہ کا تمام نبی اور ولی پر ہزاراں سلام

اسپرنگر ص۶۶ اسٹوارٹ ص۱۷۹

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے زائے منقوطہ کے ضاد منقوطہ سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم ص۱۲ میں اسکا نام قصہ روح افزا درج ہے جو غلط ہے اور کتب خانہ مذکور میں اسکا نسخہ فن قصص میں نمبر ۱۲۱ پر محفوظ ہے۔

شاہی

انکا نام شاہ قلی خاں ہے۔ حیدر آباد کے باشندے اور قطب شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ تانا شاہ کے مصاحب ہو گئے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے انکا ایک شعر مشہور ہے۔

ملنا من کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ مچھ کہے کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر حسن ص۱۲۳ سخن شعرا ص۲۴۱

مرزا

انکا نام ابوالقاسم ہے حیدر آباد کے باشندے تانا شاہ کے مقرب تھے اورنگزیب عالمگیر نے جب حیدر آباد فتح کیا تو فقیر ہو کر عبداللہ گنج میں گوشہ نشین ہو گئے اور اسی حال میں انکا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں انکے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا ترے گال سوں اچھا سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا وہ نونہال کدھر مٹ گئے چمن لگتا تھا جن کے ہاتھ یہ گل ڈال سوں اچھا

میر حسن ص۱۶۸

سلطنت عادل شاہیہ

سنہ ۸۹۵ھ سنہ ۱۰۹۷ھ

(۱) یوسف عادل شاہ	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۹۱۶ھ[سلہ]
(۲) اسمعیل عادل شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۴۱ھ
(۳) ملو عادل شاہ	سنہ ۹۴۱ھ	
(۴) ابراہیم عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۴۱ھ	سنہ ۹۶۵ھ
(۵) علی عادل شاہ اول	سنہ ۹۶۵ھ	سنہ ۹۸۸ھ
(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۳۷ھ
(۷) محمد عادل شاہ	سنہ ۱۰۳۷ھ	سنہ ۱۰۶۷ھ
(۸) علی عادل شاہ ثانی	سنہ ۱۰۶۷ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
(۹) سکندر عادل شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ

یوسف عادل شاہ کی اصلیت

سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان مُراد (سنہ ۸۲۴ھ سنہ ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔

محمد خاں و یوسف خاں سنہ ۸۵۵ھ میں جب سلطان مُراد کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ

سلہ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۳ طبقات اکبری میں سنہ ۹۱۳ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور راسندخاں نے سراج التواریخ میں سنہ ۹۲۵ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین ص۲۲

محمد[1] بر سر حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادہ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کیلئے آیندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اُسکے قتل کا حکم دیدیا۔ افسران سلطانی شاہزادہ یوسف کیلئے اسکی ماں کے یہاں گئے تو اسنے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عمادالدین گرجستانی کو بلاکر شاہزادے کو ایک کثیر دولت کے ساتھ اسکے حوالہ کردیا۔ تاکہ اُسے دارالحکومت سے لیکر فرار ہو جائے اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کردیا اور صبح اسکی لاش افسران سلطانی کے حوالہ کردی۔ غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپرد خاک کیا گیا۔ اور خواجہ عمادالدین شاہزادہ یوسف کو لیکر اُسی شب میں ترکوں کے دارالحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آکر سادہ میں پناہ گزیں ہوا۔

یوسف عادل شاہ کا ہندوستان میں آنا

خواجہ عمادالدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے اسکے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہوکر ۸۶۴ھ میں مصطفے آباد دابل پر اُترے اور یہاں بہمنیوں کے دارالسلطنت احمد آباد بیدر میں آکر خواجہ محمود گاواں کے مہمان ہوئے محمود گاواں نے یوسف کی سرگذشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کرکے اُسے شاہی جیلوں میں شامل کرادیا۔ شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اسلئے محمد شاہ بہمنی ۸۶۷ھ ۸۸۷ھ کے دربار میں اسے بیحد تقرب حاصل ہوگیا یہاں تک کہ ۸۸۳ھ میں بادشاہ نے اُسے جنیر کا صوبہ دار بنادیا اسکے بعد بیجاپور کا سرلشکر مقرر ہوا اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی

سلطنت عادل شاہ کا ہندوستان میں قائم ہونا

۸۸۷ھ ۹۲۴ھ اکے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے

[1] سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اسکا جانشین سلطان محمد جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمراں رہا ہے اسنے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا۔ مولانا جامی نے اسکی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔

قریب ہوگئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اسنے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دیکر اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

یوسف عادل شاہ کے بعد اسکی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دوسو برس حکومت قائم رہی[1]۔

سلاطین عادل شاہیہ کا مذاق علمی

یوسف عادل شاہ اور اسکا جانشین اسمعیل عادل شاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اُن کا کلام نقل کیا ہے اور اسمعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ

"ہیچ یک از سلاطین دکن بمتانت و لطافت او سخن نہ گفتہ"

اسمعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادل شاہ بادشاہ ہوئے ہیں یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے انکے عہد میں عراق و عجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجاپور کی سکونت اختیار کرلی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بنگیا تھا۔

علی عادل شاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علمائے عراق عقل حادی عشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزارہا روپیہ صرف کرکے شیراز سے بلایا تھا۔ اسکا وزیر افضل خاں شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اسکی فیاضیوں سے بیجاپور میں کثرت سے علماء و فضلا جمع ہوگئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ کے مکانات پر روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علماء و فضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے روبرو علمی مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اسنے اپنے زمانہ میں علم و ہنر کے پھیلانے میں جو

[1] یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور روم سے فرار ہوکر ہند میں آنے اور بیجاپور میں برسر حکومت ہونے تک جو کچھ واقعات گذرے ہیں انکی تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم صہ۲ منتخب اللباب جلد سوم صہ۲۶۶ بساتین السلاطین صہ۵ ہنری کزن کی انگریزی کتاب کی کلچر آف بیجاپور کا ضمیمہ جسمیں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں۔

کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے مثلاً
نورالدین ظہوری جسکی نظم و نثر ساری دُنیا میں مشہور ہے۔
ملا ملک قمی جسنے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھ کر بادشاہ سے اسکے صلہ میں
ایک بار شتر زر طلا حاصل کیا ہے۔
حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بےمثل و نظیر
تاریخ لکھی ہے
عبد الرشید البستگی جسنے بادشاہ کی فرمایش سے علاءالدین محمد بن زکریا قزوینی
کی عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔
ملا رفیع الدین شیرازی جسنے بادشاہ کے ایماسے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے
اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادل شاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ تذکرۃ الملوک کے
نام سے تصنیف کی ہے۔
شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شیخ شہاب الدین ابن الحجر المکی کے شاگرد تھے
اور بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے،
ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادل شاہ ثانی برسر حکومت ہوئے
ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے۔ محمد عادل شاہ
کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اسنے بادشاہ کے حکم سے خمسۂ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین
نے تذکرۃ الملوک کیں سلاطین عادل شاہیہ کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے تھے،
بادشاہ کے ایماسے ملا محمد حسن نے اسکا تکملہ لکھا اور اسمیں محمد عادل شاہ کے حالات تحریر کئے
علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اسد ولد قاضی سید علی محمد ایک زبردست
انشا پرداز گذرے ہیں انھوں نے علی عادل شاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اسمیں اپنے چشم دید
واقعات قلم بند کئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفیٰ ہیں۔

سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اُردو

سلطنت عادل شاہیہ کی بُنیاد پڑنے سے مدّتوں پہلے بیجاپور میں اُردو زبان عام ہوگئی تھی امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کردیا تھا۔ لیکن یوسف عادل شاہ اور اسکے فرزند اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کردیا۔ کم و بیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت کو حاصل کیا تو اسنے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبان اُردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی۔ مؤرخ خافی خاں نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی جدید پدر او قرار دادہ بودند برطرف نمود

بدستور سابق ہندوی مقرر نمود [۱]

علی عادل شاہ اول (۹۶۵ھ تا ۹۸۸ھ) نے اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروج کیا لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۷ھ) حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر اُردو زبان جاری ہوگئی اور سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی [۲]

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی۔ خاصکر سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گویّے اُسے "جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اسنے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد و ضوابط قلمبند کئے تھے اور اسکا نام نورسنامہ رکھا تھا۔ یہ کتاب نظم دکنی میں تھی۔ ملا ظہوری نے فارسی میں اسپر دیباچہ لکھا تھا جو اسوقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

---

[۱] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۲۰۰ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کیساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۰ بساتین السلاطین صفحہ ۴۹ [۲] سلسلہ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۲۲۵

علی عادل شاہ ثانی کو زبان اُردو سے بیحد دلچسپی تھی اسکے زمانہ میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا۔ اردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہو گئے تھے بادشاہ انکے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا۔ اور ان سے اُردو میں بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں اور انکے صلہ میں رقومات کثیر عطا کئے تھے چنانچہ مورخ خانی خاں نے لکھا ہے،

بادشاہے بود با ہوش سپاہ دوست در سخاوت و شجاعت وسعت خلق مشہور فضلا و صلحا را دوست داشتے۔ و شاعران را حرمت نمودے خصوص در حق شاعران ہندی زیادہ مراعات بیفرمود در شہدا و ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمہ روضۃ الشہدا و قصہ منوہر و مدمالت کہ عاقل خاں خوافی بہ نظم در آوردہ ملا نصرتی و دیگر شاعران بیجاپور بہ زبان دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صلہ وافر در خور سلاطین یافتند۔

واز جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعرے بود کہ زبان خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت آل الطاہرین نمودہ ہرگز برائے احدے از شاہ و گدا شعر نہ گفت و مرثیہ بسیار کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زبان زد خاص و عام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ۔ روزے علی عادل شاہ میرزا را بحضور خود طلبیدہ بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در مدح بادشاہ زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود۔ زبانی کہ برائے حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ بہ حکم من نماندہ۔ بعدہ کہ مکرر سلطان تکلیف نمود یک دو مرثیہ از زبان سلطان بجائے اسم خود تخلص علی عادل شاہ قسمی داخل نمود کہ ذومعنی واقع شدہ" [1]

ابراہیم زبیری نے علی عادل شاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامہ شعر گوئی تازہ گرم داشتند

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۵۹ صفحہ ۳۶۰

ازاں طبقہ یکے میاں نصرتی است کہ بنصرت وقار و مساعدت ذہن ثاقب تیغ زبان کشیدہ فتح اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شد"[1]

حاکم شاہ نور نواب دلیر جنگ بہادر کے حکم سے میر احمد علی خاں نے ۱۲۷۰ھ میں سلاطین بیجاپور کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام گلدستۂ بیجاپور ہے اسمیں علی عادل شاہ ثانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اُسکے درباری شعرا کی کیفیت اسطرح بیان کی ہے،

شعر گویان تازہ خیال اس بادشاہ نکتہ سنج کے دربار فیض بار میں حاضر رہا کرتے تھے چنانچہ میاں نصرتی کہ خیال رنگین و اشعار تازہ مضامین اُسکے مقبول خاص و عام کے ہیں اور شعرائے زمان میں ملک الشعرا سے مشہور ہے اور طبع زاد سے اپنے کتاب گلشن عشق اور علی نامہ نام سے اُس شہریار عالی وقار کے تصنیف کیا ہے جو کوئی نسخہ زبان ہندی میں اس خوبی اور تازہ مضمونی سے نہیں بنا ہوگا۔

ملا نصرتی شاعر ہندی گو تھا۔ وشاہ نور اللہ و مرزا مقیم و مرزا دولت شاہ و حکیم آتشی اکثر فارسی گو تھے او ہندی شعر بھی کہتے تھے۔ اور سوائے انکوں کے بہت شعرا فارسی گو اور ہندی گو بھی تھے چنانچہ ایک ان میں سے ہاشمی تھا کہ احسن القصص کو زبان ہندی سے شعر بردازی کر کے داد سخن کا دیا ہے اور رسالہ نجات نامہ بھی نتائج طبع سے اُسکے ہے، اور عبد اللطیف و عبد النبی اکثر قصائد لفصاحت و بلاغت تمام زبان فارسی سے کہے ہیں، الغرض اس شہریار عالی تبار کے عصر میں بیجاپور معمور تھا۔ اور شعراء و فضلا، و زہاد و صلحاء و اولیا و جمیع اہل فنون بارگاہ سلطنت میں اُسکے حاضر تھے"[2]

دربار عادل شاہی کے شعرا کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز ہوگی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے انکے نام تک ناپید ہو گئے ہیں بعض نام تاریخوں میں ضمناً آ گئے ہیں بعض کا پتہ

---

[1] بساتین السلاطین ص۳۰۲

[2] گلدستہ بیجاپور طبع شاہ نور ۱۲۷۹ھ ص۳۰ و ص۳۱ و ص۳۲

ان کی اُن تصنیفات سے چلا ہے جو زمانہ کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ذیل کے شعراء نے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

شعرائے بیجاپور

شاہ میران جی شمسُ العشاق

آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں۔ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب نے شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ جمال الدین خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے خلفا سے تھے۔

حضرت میران جی نے بارہ حج کئے اور یوسف عادل شاہ کے عہد میں آکر بیجاپور میں سکونت اختیار کی۔ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا گنبد حصار بیجاپور کے باہر شاہ پور میں ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔

مرزا فصیح الدین خاکسار المعروف بہ بابا سنجل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد روزگار اور دکن کے امیر خسرو تھے آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ حضرت میران جی نے اردو نظم و نثر میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے اسرار و نکات کو بیان کیا ہے۔ منجملہ اُنکے نظم میں دو رسالے زیادہ مشہور ہیں۔ گنج عرفان اور شہادۃ التحقیق۔ گنج عرفان چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نو باب ہیں اور ان میں عرفان کے اہم مسائل مثلاً روح کی حقیقت، مراقبہ عقل و عشق کا مناظرہ موحد و ملحد کا فرق اور اسی نوعیت کے دیگر مضامین ہیں شہادۃ التحقیق میں اخلاق و تصوف کے رموز و حقائق کا تذکرہ ہے۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۱۲ ۔ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۱۵ رسالہ اُردو جلد ہفتم صفحہ ۱۷۱ ،

رسالہ گنج عرفان ۱۲۱۸ھ میں بمقام شاہ نور منی رام کے مطبع میں طبع ہوا ہے۔

ملک خوشنود

سلطان محمد عادل شاہ کا درباری شاعر ہے۔ اصل میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کا حبشی غلام تھا۔ ۱۰۴۲ھ میں محمد عادل شاہ کے ساتھ امیر محمد امین ابن ابراہیم قطب شاہ کی دختر فاطمہ سلطانہ شہربانو بیگم کا عقد ہوا اور دلہن گولکنڈہ سے بیجاپور کو روانہ ہوئی تو سلطان عبداللہ نے اسکے جہیز میں ملک خوشنود کو بھی شامل کر دیا۔ اور اسنے اپنے خدمات لائقہ اور حسن کارگزاری کے باعث بادشاہ اور ملکہ دونوں کے یہاں حد سے زیادہ تقرب حاصل کر لیا یہاں تک کہ امور سلطنت میں راز داری کے مواقع پر حجابت کے فرائض بھی انجام دینے لگا۔ چنانچہ ۱۰۴۵ھ میں ایسے ہی موقع پر عادل شاہ نے اسے ایلچی بنا کر سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کیا۔ اس حجابت کا واقعہ یہ ہے کہ خواص خاں عادل شاہی سلطنت کے امرائے عظام میں سے تھا اور محمد عادل شاہ کے عہد میں اسے ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ سلطنت کے سیاہ وسپید کا مختار بن بیٹھا تھا۔ محمد عادل شاہ نے جب اسکے استیصال کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان عبداللہ نے اس موقع پر امداد روانہ کی۔ اسکا شکریہ ادا کرنے کے لئے عادل شاہ نے بیجاپور سے ملک خوشنود کو سلطان عبداللہ کے یہاں گولکنڈہ بھیجا۔ اور وہ جب گولکنڈہ سے واپس ہوا تو سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو اسکے ہمراہ کر دیا۔ ان تمام واقعات کو ملا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے:

> و ملک خوشنود کہ از ملکان این دولت خانہ گیتی نشانہ بود در وقت ارسال پالکی زرنگار مبارکہ بلقیس الزمانی او را داخل ملکان و خواجہ سرایان جہاز کردہ بودند۔ و در راہ بیجاپور از وفور خدمات شایستہ از خواجہ ہاے دیگر امتیاز بہم رسانیدہ بود و در خدمت ملکہ عالمیان قرب و منزلت زیادہ یافتہ بواسطہ شکرگزاری امداد و اعانتی کہ واقع شدہ بود با تحف و ہدایا و ۳ زنجیر فیل و شش راس اسپ فرستادند۔

وبعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تحفہ و یادگار روانہ
بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر شاہ ابوالحسن
حاجب مقیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل بزرگ و شش سر اسپ عراقی و دو صندوق
مقفل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشار الیہما بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز گردیدند
ملک خوشنود نے سلطان محمد عادل شاہ کی فرمایش سے ۱۰۵۰ھ میں ہشت بہشت
کا دکنی میں منظوم ترجمہ کیا ہے ہشت بہشت امیر خسرو کی مشہور مثنوی ہے اور اسمیں بہرام گور کا
فسانہ مذکور ہے۔ ترجمہ کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہی۔

سراُوں تجھ جو توں ہی پاک معبود ہوا سب خلق و عالم تجھ سوں موجود

حدیقۃ السلاطین ص۲۴۷ و ص۲۴۹ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم نمبر (۵۰) بلوم ہارٹ نے
ہشت بہشت کے مصنف کا نام محمد شاہ لکھا ہے جو غلط ہی۔

رستمی

رستمی کا نام کمال خاں اور اسکے والد کا نام اسمعیل خاں ہے۔ باپ اور بیٹے دونوں
سلاطین عادل شاہیہ کے دربار میں دار الانشار کی افسری پر مامور تھے اور بادشاہ نے انھیں خطاط خاں
کا خطاب دیا تھا دی ٹاسی نے اسکا تخلص رسمی لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔
رستمی نے خدیجہ سلطانہ شہر بانو بیگم کی فرمایش سے ۱۰۵۹ھ میں خاور نامہ کا فارسی سے
نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ بیگم امیر محمد امین ابن سلطان ابراہیم قطب شاہیہ کی دختر تھی ۱۰۴۲ھ
میں بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ ابوالمنصور سلطان محمد عادل شاہ کے ساتھ اسکا عقد
ہوا تھا۔
خاور نامہ نظم ہے اور شاہ نامہ فردوسی کے جواب میں لکھا گیا ہے اسمیں امیر المومنین
جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہیں۔ محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۸۳۰ھ میں اسے

تصنیف کیا ہے اور اسکے باعث اسنے فردوسیٔ ثانی کے لقب سے شہرت حاصل کی ہے ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۸۳۶ھ اور خوندمیر نے ۸۹۳ھ لکھا ہے لیکن صحیح تاریخ ۸۷۵ھ ہے بلوم ہارٹ نے خاور نامہ کی ابتدا اور اختتام کے حسب ذیل ابیات نقل کئے ہیں.

آغاز

اول جب کیا یو کتاب ابتدا — بندیا بات میں نقش نام خدا
جو صاحب ہوا و عقل ہور جان کا — کیا دین بخشش اد ایمان کا
او ہے ایک صاحب اُپر ہور نئیں — جو ہستی پر اس کی گواہیں ہمیں

خاتمہ

خاور نامہ دکنی کیتا ہوں نام — ہوا خاوران پر قصہ سب تمام
اس اوپر بہوت گذرے گا روزگار — اچھے گا یو دنیا میں ہو یادگار
تو اس نامے کوں نامہ شاہ جان — دوجے ناماں پر شاہ دلخواہ جان

ڈی ٹاسی جلد دوم صفحہ ۵۶۹ - ایتھے نمبر ۸۹۶ - ریو جلد دوم صفحہ ۶۲۴ - بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳۵ - حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۳۴۳ - حبیب السیر جلد سوم جز سوم صفحہ ۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے انکے آباواجداد بیجاپور میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلحدار تھے چنانچہ خود نصرتی نے اسکا ذکر کیا ہے

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت مآب — قدیم یک سلحدار جمع رکاب

نصرتی کے بھائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے بیجاپور کے مشاہیر فقرا میں انکا شمار ہوتا ہے نگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادری رح کی درگاہ میں انکا مزار اب تک موجود ہے

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی۔ علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں۔ ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے۔ مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق (۳) گلدستۂ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھیں پروفیسر ڈٹی ٹاسی نے بھی انکا ذکر کیا ہی۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے۔ اسمیں نصرتی نے علی عادل شاہ کے سوانحات وفتوحات اور مجالس عیش وطرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور انکے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بھی درج ہیں مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اسکا نام تاریخ علی عادل شاہ لکھا ہے لیکن خود نصرتی نے شاہنامۂ دکن کے نام سے اسکا ذکر کیا ہی چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہی۔

ہوں کیتا سخن مختصر بے گماں	کہ یو شاہنامہ دکن کا ہی جان

علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اسمیں سنہ تصنیف درج نہیں ہے لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۷۱ھ کے بعد تمام ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں سب سے اخیر واقعہ پنالہ کی فتح کا مذکور ہے۔ اور اس مقام کو علی عادل شاہ نے ۱۰۷۱ھ میں فتح کیا ہے۔ اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے بھی دکنی زبان میں ایک تاریخ کہی ہے جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہی

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

علی نامہ کی ابتدا ایک قطعہ سے ہوئی ہے جو درج ذیل ہی

حمد اوّل ہے خدا کا کہ جن نے روز ازل	دیا ہی ہمت مرداں کوں جوں توفیق سوں بل
رکھیا اس فتح کے نامے کا علی نامہ ناؤں	جس کا ہر رزم رستم کے گلے کا موے ہیکل

اسکے بعد مثنوی کا آغاز حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

سراناسری اُس سکت دار کوں	کہ ادھار ہے ان نرادھار کوں

خاتمہ ان اشعار پر ہوا ہے

اتا نصرتی ختم کریو کلام — دعا سوں ہے تج مدعا، تمام
الٰہی جلگ تیغ سوں آفتاب — دباوے ستارے کوں ک مہ یو داب
تلک جس سوں یہ شہ مظفر اچھو — دندیاں پر سدا تیغ تس وراچھو

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے۔ اسمیں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

دھریا اس کی تاریخ کا جب خیال — وہیں ہاتف غیب معجز مقال
کہیا اسکی تاریخ میں ہجرتی — "مبارک ہے یو ہدیۂ نصرتی"

اسکے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

صفت اسکی قدرت کی اول اُول — دھریا جنے یو گلشن عشق ناؤں
کیا کر کرم عشق کا تس ابھال — یو باغ آفرینش کا پکڑیا جمال
عجب کوئی توں باغبان جہاں — جو صنعت میں تجھ چل سکے نا زباں

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو ۱۰۶۵ھ میں فارسی میں نظم کیا اور مہر و ماہ اُسکا نام رکھا ہے۔

حدیث از روشن دل خواہ گویم — سخن از عشق مہر و ماہ گویم
کنم عشق منوہر را کتابے — دھم از نام مہر آنرا خطابے
نوائی حسن مدمالت سرایم — ولے از پردہ ماہش نمایم
ز ہجرت یک ہزار و شست و پنج است — کزیں غم خانہ طبعم نکتہ سنج است
چو من این داستاں از غم زدم دم — بخواں تاریخ آں "دیباچۂ غم"

خافی خان نے گلشن عشق کو اسی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے۔ لیکن نصرتی نے کہیں اسکا ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ مثنوی مہر و ماہ کا ترجمہ یا اُس سے ماخوذ ہے۔

قصائد و غزلیات کے مجموعے اسوقت ناپید ہیں لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں موجود اور مروج و متداول تھے اور اُن میں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصنیفات میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی شامل ہے جسکے ایک سو اکیس شعر ہیں۔ اسمیں معراج کے حالات مذکور ہیں جسکے باعث وہ معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے یہ قصیدہ سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے۔ اسکے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح وستائش کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اسطرح لایا ہے۔

شہ کی ثنا نصرتی نغز و نول یوں لکھی
دور کے دفتر اوپر برا چھے ہر یک بچن

گل رعنا کے مصنف نے اسکا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ۱۰۸۰ھ میں بمقام اکبر آباد مکتوب ہوا ہے اور چند اشعار اس سے انتخاب کر کے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے۔ اور انکی لاش سید شاہ عبد الرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منصور کے مزار کے قریب مدفون ہے۔

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور انکی مضمون آفرینی زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد دوم صفحہ ۴۵۵۔ استوارٹ صفحہ ۱۷۸ و صفحہ ۱۷۹ اسپرنگر صفحہ ۶۳۰ مارلے صفحہ ۹۴ ولسن جلد دوم صفحہ ۳۹ ایتھے نمبر ۱۶۳۴ بلوم ہارٹ۔ انڈیا آفس نمبر ۳۶ و ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷۔ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم نمبر ۴۵ و ۴۶۔ ریو جلد دوم صفحہ ۸۰ جلد سوم صفحہ ۸۰۲ منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳ بساتین السلاطین صفحہ ۴ و صفحہ ۳۷۶ و صفحہ ۴۳۰ و صفحہ ۴۳۳ گلدستہ بیجاپور صفحہ ۶۰ ترجمہ انوار سہیلی صفحہ ۱۱ سلسلہ آصفیہ جلد ششم صفحہ ۶۵ گل رعنا صفحہ ۲۶ و صفحہ ۹۰۔ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ صفحہ ۱۱۱ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم

شاہ مَلِک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور سلطان علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ – ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں۔ انھوں نے ایک رسالہ مسائل دین کے متعلق نظم دکنی میں لکھا ہے اور اسمیں نماز کے فرائض واحکام بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ۱۰۷۷ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے،

یو مسلیاں کون دکنی کیا اِس سبب ... فہم کر کے دل میں کرے یاد سب
سو یو شین الف ہے و میم لام کاف ... فرس کوں دکنی میں بولیا ہو صاف
سن یک ہزار ہور ستر یو سات ... کیا تھا اسی سال میں یو نکات

اسکی ابتدا اشعار ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی دے توفیق توں انسان کوں ... کریں بندگی تیری دل جان سوں
توں پیدا کیا محض بندگی کے تیں ... سوا دچھوڑ کرے ہیں گند کی کے تیں

بلوم ہارٹ نے اس رسالہ کا نام شریعت نامہ لکھا ہے۔ لیکن اسکا ایک قلمی نسخہ ۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا ہماری نظر سے گذرا ہے اسکے خاتمہ پر اسکا نام احکام الصلوٰۃ تحریر ہے،

بلوم ہارٹ۔ انڈیا آفس نمبر (۳)

امین

امین۔ شیخ امین الدین اعلیٰ کا تخلص ہے آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ – ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں شاہ میران جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۱۰۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے

حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مُریدوں نے اِن اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے۔ میں نے اسکا ایک نسخہ ویلور میں دیکھا ہے جسکا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اسمیں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ منجملہ انکے بعض مثنویوں کے نام یہ ہیں رموز السالکین۔ محبت نامہ۔ مفتاح التوحید۔ رسالہ قربیہ۔ رسالہ وجودیہ وغیرہ

روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۱۲۲ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۸۴

سیوا

انکا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۶ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں اُنھوں نے سنہ ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسمیں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں انکے علاوہ بہت سے مرثیے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدّین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے سنہ ۹۱۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے۔ انوار سہیلی۔ اخلاق محسنی۔ تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپکی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام کتاب ہے سیوا کے بعد دکن کے اکثر شعرا نے ان واقعات کو منظوم کیا ہے اور ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔

ڈی ٹاسی جلد سوم صفحہ ۱۴۲۔ اسٹوارٹ صفحہ ۱۸۱۔ آب حیات صفحہ ۴۲۔ لسان العصر جلد اول صفحہ ۱۱۶۔ حبیب السیر۔ جلد سوم۔ جز سوم صفحہ ۳۴۱

مُومن

انکا نام عبد المومن ہے۔ چینا پٹن کے باشندے تھے۔ یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادل شاہی عملداری میں شامل تھا۔ مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے۔ انھوں نے عشق نامہ کے نام سے دکنی میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے۔ اور اسمیں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات وکرامات تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں کتاب کا نام اور اختتام کی تاریخ اسطرح مذکور ہے۔

کہ جس کے فیض کا لے پاک خامہ ۔۔۔ لکھیا میں ختم کر یو عشق نامہ
ہوا جب یو مبارک ختم مجھ فال ۔۔۔ ہزار ایک ہور نو د پر تین تھے سال

ابتدا کے چار بیت یہ ہیں۔

لکھا نو حمد اُس معشوق کا آج ۔۔۔ کیا جی عاشقاں کیرا نول کاج
انا المحبوب کا کر جشن عام آں ۔۔۔ پٹھایا عشق کا نازک پیام آں
اتم الفقر کیرا اجلۂ خاص ۔۔۔ محبت سوں سنوار یا بخش اخلاص
تجمّل باج او خالی نہوسی ۔۔۔ کہ ہے وہ جلوہ گاہ نوعروسی

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے (فن سوانح عمری نمبر ۲۵۰) اسکی کتابت ۱۱۱۳ھ میں تصنیف سے بیس سال بعد ہوئی ہے۔ اور اسکے خاتمہ پر فارسی زبان میں ایک قطعہ تاریخ درج ہے۔ اسمیں کتاب کو اسرار عشق کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میران اور وطن بیجاپور ہے علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ ۱۰۸۳ھ) کے عہد میں گذرے ہیں۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مُرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی

تخلص کرتے تھے شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے ۱۰۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمایش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

یہ مثنوی انقراض سلطنت عادل شاہی سے کم وبیش ایک سال اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے چنانچہ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

مرتب کیا میں یہ قصّہ کو تو ہزار اک برس پر تھے نو دپو نو

اسمیں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اسکا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا حمد اسکوں سزاوار ہے سگل عشق جسکا یو ستار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اور ینٹل سوسائٹی کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں

ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جسمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثیے اور قطعات اور رُباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اسوقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں جسقدر غزلیات ہیں انکا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور اسمیں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات ۱۱۹۰ھ تحریر ہے لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مرید اور علی عادل شاہ کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے۔ مصنف گل رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے ۱۱۹۰ھ کے ۱۰۹۰ھ قرار دیکر اسکی تصحیح کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ ۱۰۹۰ھ کے نو سال بعد ۱۰۹۹ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ ۱۱۰۹ھ ہے

جسکو مصنف کتاب اعراس بزرگان نے لکھا ہے

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے

ونیز از جملہ ہندی گویاں آنزماں یکے میاں ہاشمی است کہ فیض لعاب دہن مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہٗ زبان شیریں بیان کشادہ از سخنوران گوئے سبقت ربودہ قصۂ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زماں بزبان دکھنی نظم نمودہ و دیوان غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ و تلازمات شعریہ ہم دارد کہ مقبول طبایع افتادہ و در شعر طرازی نادر روشنی غریب ورزیدہ کہ کسی بر و سبقت نہ کرد باوجودیکہ بصیر مادر زاد بصیرت چشم بینا۔

فہرست کتبخانہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد دوم ص۶۶ بساتین السلاطین ص۴۳۲ منتخب اللباب جلد سوم ص۳۶ ترجمۂ انوار سہیلی ص۱۱ روضۃ الاولیا ص۹۴ تذکرۂ شعرائے دکن جلد دوم ص۱۲۰ گل رعنا ص۲۰ لسان العصر جلد اول ص۱۱۴

مرزا

ان کا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۷۰ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں۔ صرف مرثیئے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستایش سے آلودہ نہیں کیا ایک دفعہ علی عادل شاہ نے ان سے اپنی مدح کہنے کی فرمایش کی اور اسپر مکرر اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیے لکھے اور اسمیں اپنے تخلص کے بجائے بادشاہ کا نام درج کر دیا۔

مرزا نے علی عادل شاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے ابراہیم زبیری نے لکھا ہے کہ مرزا نے محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی علی الصباح طہارت کیلئے باہر نکلے تو انکے کسی دشمن نے خنجر سے شہید کر دیا۔ دن نکلنے کے بعد جب شہر کے علم اور تعزیے نکلے تو انکے پیچھے مرزا کا جنازہ بھی نکالا گیا۔ اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے مقبرے میں انکی لاش سپرد خاک کی گئی۔

منتخب اللباب جلد سوم ص۳۶ بساتین السلاطین ص۴۳۲ گل رعنا ص۲۷

شعرائے دکن
مغلوں کے عہدِ حکومت میں

دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط

شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ – ۱۰۱۴ھ) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اسکے بعد شاہانِ مغلیہ کی پے بہ پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں ۱۰۴۵ھ میں شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ – ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کرلیا۔ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ – ۱۱۱۸ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہانِ دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہا۔ ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اسکے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح ہوا۔ اور اسطرح ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہوگیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کے ساتھ بیحد مراعات کئے جاتے تھے۔ اور انھیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزارہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء و سلاطین دکن کی قدردانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا۔ اسلئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کیساتھ اُردو شاعری کا بھی خاتمہ ہوجاتا۔ مگر نتیجہ اسکے برعکس نکلا سبب اسکا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اُردو دکن میں عموماً اور مسلمانان دکن میں خصوصاً اسقدر عام ہوگئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط و کتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذ و نادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا۔ زبان اُردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اُردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اسکی طرف متوجہ ہوگئے تھے

اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان عام کے باعث اسکو اپنا مشغلہ بنالیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اسپر کوئی اثر نہ پڑسکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔
مغلیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے اُنکے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مقیمی

دکنی شاعر ہیں، عالمگیری فتوحات کے زمانہ میں کرناٹک میں گذرے ہیں انکی تصنیفات سے دو چھوٹے چھوٹے فسانے موجود ہیں۔
(۱) قصہ چندر بدن وماہ یار۔ ماہ یار ایک مسلمان تاجر کا لڑکا تھا۔ چندر بدن۔ راجہ زنگا پتی والی سندر پٹن کی دختر تھی۔ دونوں کے حسن وعشق کا فسانہ اسمیں مذکور ہے۔ مقیمی نے اسے سنہ ۱۰۹۰ھ میں نظم کیا ہے۔ اور تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

صدی بارھویں میں تھے کم سال دو — لکھیا نظم کوں میں نے باطرز نو

ابتدا اسکی حسب ذیل ابیات سے ہوئی ہے

خدا کوں سزاوار کبر و منی — کہ قادر ہے قدرت کا صاحب دھنی
جو پھونکیا ہے آدم میں یک روح کوں — سبنھالیا ہے طوفاں ستے نوح کوں
کیا نار گلزار رب الجلیل — کہ نمرود کے ہاتھ بچیا خلیل

(۲) قصہ سومھار۔ یہ ایک غریب دہقان کا فسانہ ہے اور اسمیں دیہاتی زندگی کے واقعات بیان کئے ہیں۔ اسکی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

رحیما تو خلاق و رحمان ہے — نرنکار بیچون تو سبحان ہے
اندھیارا کرے اور اُجالا تیں — جو جتا نہ توں وہ کبھو ہو نہیں
فلک ہور زمیں کا ہے یک شاہ توں — بنایا ملک ہور فلک ماہ توں

ڈی ٹاسی جلد اول ص ۵۴۷ جلد دوم ص ۲۹۱ ۔ اسپرنگر ص ۶۲۵ ۔ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ص ۱۰۰
بلوم ہارٹ اسکو عزیز کی تصنیف بیان کرتا ہے اور عزیز کو غواصی شاعر قطب شاہی کا دوست بتاتا ہے ۔ بلوم ہارٹ نے یہ باتیں غالباً قصہ چندر بدن حسب ذیل ابیات سے اخذ کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے ان سے بلوم ہارٹ کے بیان کی تائید نہیں ہوتی ۔

طبع کی غواصی سے باندھیا ہوں میں ۔ سخن لیکے ٹھوڑے سے ساندھیا ہوں میں
بنایاں سے قصہ کی سن اے عزیز ۔ سخن ہیں یہ موزوں سخن بالتمیز

عاجز

سید محمد نام ہے دکن کے رہنے والے تھے ۔ دکنی سلطنتوں کی تباہی اور عالمگیر کی فتوحات کا زمانہ انھوں نے دیکھا ہے ۔ انکی تصنیفات سے ایک چھوٹی سی مثنوی دکن میں نہایت مقبول اور قصہ ملکہ مصر کے نام سے مشہور ہے اسمیں مصر کے بادشاہ فیروز شاہ کی ملکہ کا فسانہ اور اسکے ایک سو سوال مذکور ہیں ۔ عاجز نے اسے ۱۱ صفر سنہ ۱۱۰۰ھ کو تمام کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں اسکی تفصیل اسطرح بیان کی ہے ۔

مرتب ہویا یاں سوں قصہ تمام ۔ لکھوں اب یو کس وقت پایا نظام
تھی تاریخ اگیارہ ماہ صفر ۔ سو پنجشنبہ کا روز تھا نامور
سو ہجرت نبی سوں برس یک ہزار ۔ بھی یکسو، سو مسلے بولیا یادگار

ابتدا اسکی ان ابیات سے ہوئی ہے ۔

کہوں میں ثنا صفت حق کا اول ۔ بنایا ہے یو سب جگت بے بدل
رکھیا جن معلق یہ ہفت آسماں ۔ چلاتا ہے یو نت زمیں ہور زماں
دیاتا ہے او دیس سب نور سوں ۔ کریں دین جو روشن چند سور سوں

ڈی ٹاسی جلد اول ص ۱۶۵ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳، ۔ قصہ ملکہ مصر سنہ ۱۳۰۷ھ میں بمبئی

میں چھپ گیا ہے۔ ڈی ٹاسی نے لال گوہر کو عاجز دکنی کی تصنیفات میں شامل کیا ہے لیکن شفیق کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارف الدین عاجز کی تصنیف ہے جو اورنگ آباد کے رہنے والے اور ۱۱۸۷ھ میں فوت ہوئے ہیں۔

ضعیفی

انکا نام شیخ داؤد ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں گذرے ہیں مسائل فقہ میں انھوں نے ایک کتاب ہدایت ہندی کے نام سے لکھی ہے جو ۱۱۰۰ھ میں تمام ہوئی ہے۔ اس میں چوبیس باب ہیں جن میں طہارت نماز روزہ زکوۃ کے مسائل اور دیگر احکام ضروری کو بیان کیا ہے۔

مصنف نے دیباچہ میں اپنے نام اور تخلص کو اسطرح بیان کیا ہے۔

لقب اس ہوا شیخ داؤد ناؤں ضعیفی سوا اسکے تخلص کا ٹھاؤں

کتاب کا نام اور تاریخ تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

جو تاریخ ہجرت ہزار یکسو تیج ہدایت ہندی ہوا یو تو تیج

۱۱۶۵ھ میں شاہ محمد قادری قاضی رام گیر نے خزانہ عبادت کے نام سے فقہ احناف کے احکام و مسایل میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اسمیں جگہ جگہ ہدایت ہندی کے حوالے درج ہیں۔

یہ مثنوی ۱۲۸۷ھ میں مدراس میں چھپ گئی ہے۔

ذوقی

انکا نام شاہ حسین اور لقب بحر العرفان ہے اورنگ زیب کے معاصر ہیں ۱۱۰۹ھ میں انھوں نے حسن و دل کو منظوم کیا اور وصال العاشقین اسکا نام رکھا ہے اسکے خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس سے پہلے بھی نظم میں کئی رسالے لکھے ہیں۔

مثلاً معراج نامہ ۔ وفات نامہ ۔ منصور کا قصہ وغیرہ

اردو جلد پنجم صہ ۴۹۹

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے انکا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحرالدین تھا اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے قصبۂ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے انکا وطن تھا سنہ ۱۰۹۵ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اوروہاں سکندر عادل شاہ انکا معتقد ہوگیا تھا اسکے دربار میں سال دو سال مقیم رہے اور جب بیجاپور کی سلطنت سنہ ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہوگئی تو وہاں سے حیدر آباد چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات غزلیات، رُباعیات، اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ آپنے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار پچاس ہزار کے قریب تھے ۔ بیجاپور سے حیدر آباد آتے ہوئے راستہ میں رہزنوں نے آپ کا مال و اسباب لوٹ لیا اسمیں یہ ذخیرہ بھی تلف ہوگیا ۔ قاضی صاحب نے یہ واقعات عروس عرفاں کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور انکے خاص الفاظ یہ ہیں ۔

"سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجاپور ست چندے صحبت ہا اتفاق شدہ بود پیش وے یک دو سال اقامتے میداشتم ۔

مثنویات وغزلیات ورباعیات وقصائد وغیرہ در معارف بزبان دکھنی وفارسی قریب پنجاہ ہزار بود ۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمہ اسبابہائے بیش قیمت راکہ سکندر عادل خاں بیجاپوری جہت نذر دادہ بحیدر آباد روانہ کردم درراہ قطاع الطریق آن اسبابہا راتلف نمودند وہمراہ نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد"

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے جسکا نام من لگن ہے ۔ یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات سال پہلے سنہ ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے

چنانچہ خاتمہ میں اسکی تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے

بارا اُپر ایک سو ہس تھے　　　ہجری بھی یہی کتنک برس تھے

بعض مریدوں کی فرمایش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی میں لکھے اور اسکا نام عروس عرفان رکھا یہ کتاب ۱۱۱۶ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور عسیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں سید شاہ اسمعیل بن سید شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اسکے تمام مشکل و مغلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اسکا نام ارت من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارت من لگن سے ماخوذ ہیں،

من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔ مدراس ۱۲۶۸ھ و ۱۳۰۰ھ بنگلور ۱۳۱۲ھ و ۱۳۲۵ھ

عشرتی

انکا نام سید محمد اور والد کا سید یوسف حسینی ہے۔ حیدر آباد کے رہنے والے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ اور ۱۱۰۱ھ میں ملک محمد جائسی کی پدماوت کو فارسی میں ملخص کیا ہے اور "گلے ختمی" سے اسکی تاریخ نکالی ہے۔

گلے ختمی ست تاریخ تمامش　　　بہار افروز دل شد چوں کلامش

دکنی زبان میں بھی انھوں نے دو مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں، دیپک پتنگ، اور چیت لگن پہلی کتاب ۱۱۰۸ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے اور ہماری نظر سے گذری ہے۔ اسکا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

الٰہی تو سرجیا زمین ہور زماں　　　دیایا سورج جوت تو آسماں

فلک کوں سنکایا توں گردش کا چال　　　سیہ لس میں لایا چندر کا ہلال

رین گھن کا منڈوا سنوار سے تمام	انکھوراں سکے جھونکے ستارے تمام

عشرتی کے پوتے سید علی نے ۱۱۹۶ھ میں گلشن احسان کے نام سے حاتم طائی کا فسانہ منظوم کیا ہے اسکے دیباچہ میں اپنے دادا کے حالات اسطرح بیان کئے ہیں

کروں نام سیّد محمد کا یاد	سیادت کے گھر کا ہے ذات العماد
تصانیف نظم و نثر فارسی	بہت اُس سوں ہے عقل کی آرسی
ہے دکنی میں دیپک پتنگ چیت لگن	دو قصّے کہ بس ہیں وہ عالی سخن
تخلص ہے مشہور اُسے عشرتی	معارک سخن کا تھا خود نصرتی

مجرمی

یہ بھی عہد اورنگ زیب کے شاعر ہیں بیجاپور کے رہنے والے تھے ۱۱۴۱ھ میں حسن و دل کو منظوم کیا اور گلشن حسن و دل اسکا نام رکھا ہے۔ خاتمہ میں تاریخ تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

یو بارھویں صدی میں یو قصہ تمام	جو چودا برس میں ہوئے تھے تمام

مثنوی کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

جتا حمد ہے سو خدا کو پنج ہے	ثنا ہور صفت بھی اسی کو پنج ہے
جو درگاہ اس کی اہے بے نیاز	الیس سوں اپئیں ہے وہ بے نیاز

اردو، جلد پنجم، ص ۵۰۲

ہُنر

سید احمد نام ہے۔ سید محمد عشرتی کے فرزند تھے۔ انھوں نے دکنی میں دو مثنویاں لکھی ہیں۔ نیہ درپن اور اوتا درپن۔ نیہ درپن ہمنے دیکھی ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۴۲ھ میں تمام ہوئی ہے؛

اسمیں راجہ راجکنور اور رانی کملتا دیوی کا فسانہ مذکور ہے۔ ہنر نے اسے ابن نشاطی کی پھولبن کے جواب میں لکھا ہے۔ چنانچہ دیباچہ میں کہتا ہے۔

بنایا پھولبن ابن نشاطی
تھی باس اسکی سب کے تیں خوش آتی

جواب اسکا جو یو ہے نیہ درپن
ہے بیج وہ عشق کے انکھیاں کا انجن

لسے اس سے اگر نا پائے بہتر
برابر تو یقیں جانے نہ کمتر

خاتمہ میں تاریخ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے۔

ستیا رچ نیہ درپن نے یو جہل کار
اگیارہ سو پو تھے چالیس پر چار

نیہ درپن کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی ، یا الٰہی ، یا الٰہی
تجھے ساجے جگت کی بادشاہی

تکبّر ہور منم ہے تج سزاوار
کہ نہیں کوئی دوسرا تج سار کرتار

ولی دکھنی

سید محمد فیاض انکا نام ہے۔ ملا محمد باقر آگاہ نے مراۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلورا انکا وطن تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں دکن میں ساتت گڑھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا۔ ولی عرصہ تک اسکی رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکلکر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالمجید خاں تھے انھوں نے ولی کی قدردانی کی اور بملازمت دیکر سدھوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں بیان کئے ہیں۔

حراست خاں امیر ایک نامور تھا
سکونت گاہ اُسکوں ساتت گڑھ تھا

اتھا وہ اہل درد و نیک اعمال
رفاقت میں اتھا میں اسکے خوشحال

قضارا واں سوں ہو قسمت سوں برخاست
سو آیا میں طرف کڑپہ کے دھر خواست

نواب عبد المجید ابن الحمید ایک — اتھا واں نامور صوبہ سعید ایک
سو او جبیر شجاع پروانہ لکھ کر — بسلک نوکراں میں منسلک کر
تعین کر مجکوں سدہوٹ کو روانہ — کیا او صاحب شیر ہیں زمانہ
سو حسب الحکم میں سدہوٹ کو آیا — رنگا رنگ واں تماشے میں نے پایا

ولی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصۂ رتن و پدم۔ اسکو ولی نے سدھوٹ میں لکھا ہے۔ اسکا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اسکے چار سو صفحے تھے اور جسمیں کم و بیش چار ہزار ابیات تھے اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

خدایا تو ہے پاک پروردگار — نرنکار و آکار و آپھی اتار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ ان کے دو مختلف مقام یہ ہیں۔

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے آس — نہ کر اُس آس سوں ہرگز تو نیراس

ولی ہے یو سبب خالی بہانا — اُسی کا کام ہے دینا دلانا

(۲) روضۃ الشہدا۔ اس میں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال — اگیارہ سو یو تھا اُنیسواں سال

ڈاکٹر ایتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور اسکے مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلس اول۔ ذکر وفات جناب رسالت مآب صلعم۔
مجلس دوم۔ ذکر وفات سیدۃ النسا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام،

مجلس سوم ۔ ذکر وفات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ،
مجلس چہارم ۔ ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام
مجلس پنجم ۔ ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام
مجلس ششم ۔ ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلم رضہ
مجلس ہفتم ۔ روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ سُوئے دشت کربلا ۔
مجلس ہشتم ۔ ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام
مجلس نہم ۔ ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
مجلس دہم ۔ بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

انکے علاوہ وَلی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جسکے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے ہیں جن سے انتخاب کر کے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں ۔

یا الٰہی توں بحق مصطفےٰ ہور مرتضےٰ
فاطمہ خاتون جنت ہور شاہ کربلا
عاقبت توں خیر کرنا عرض ہے میری سدا
یا صاحب عرش بریں منجہ حال پر احساں کرو

یا الٰہی زہد و تقویٰ نیں ہوا منجہ ہات سوں
کچھ عبادت ہور ریاضت میں ہوا منجہ ذات سوں
سر بسر ہوں منفعل اس کام ہور اس بات سوں
یا غفور الحجر ہیں منجہ حال پر احسان کرو

یا الٰہی از طفیل انبیاء ہور اولیاء
غوث ہور اقطاب ہیں جتنے جہاں کے اصفیا
آبرو رکھ دو جہاں میں ہے وَلی کی التجا
ہے او بندہ کمتریں منجہ حال پر احساں کرو

اسپر نگر صفحہ ۶۴۱ ۔ ایتھے نمبر ۱۰۱۲ ۔ دیباچہ ریاض الجنان صفحہ ۳ ۔ روضتہ الشہدا بمبئی میں ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۶ھ میں چھپ گئی ہے ۔

وجدی

صوبہ اورنگ آباد کی سرکار دھارور میں کیج نامی ایک قصبہ آباد ہے وجدی اسی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ انکا نام ہدایت اللہ خاں ہے۔ وطن میں طبابت کیا کرتے تھے۔ مشرب صوفیانہ تھا۔ دکنی زبان میں انکی تصنیفات سے تین مثنویاں موجود ہیں۔

(۱) مخزن عشق۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے وجدی نے اسے شاہ صادق اورنگ آبادی کی فرمائش سے ۱۱۴۵ھ میں تصنیف کیا ہے۔ اصل اسکی فارسی ہے اور دیباچہ میں تاریخ اختتام کو اسطرح بیان کیا ہے۔

یو ہے بیان خاتمہ جی شکر سوں بولیا ہوں نیں   تاریخ جسکے ختم کا آیا ہے "باغ جاں فزا"

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے چنانچہ اسکو خاتمہ میں اسطرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی   اہل معنی کو مثال آرسی
خوشتریں تصنیف شیخ نامدار   پیشوائے عارفان روزگار
شیخ صاحبدل فرید نامور   خاص جن کا ہے لقب عطار کر
تھا ولے جوں فارسی میں یو کلام   کم سمجھ سکتے تھے اسکو خاص و عام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس   کان نہ مجھے اسکے سمجھنے کا قیاس
لیکن اسکے دیکھ کر دلچسپ بول   یک بیک یوں دل منے آیا کلول
جو موافق فہم اپنے کے ضعیف   اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصد کر دکنی زباں میں لیکے آؤں   تا رہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

پروفیسر ڈی ٹاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۲۴ھ میں اختتام کو پہونچی ہے ببلیوتھیک ڈر مارگن لیانڈ شن گیشل شافٹ میں اسکا جو نسخہ ہے اس سے ۱۱۵۱ھ میں تصنیف ہونا

ظاہر ہوتا ہے لیکن ہمنے اسکے جسقدر قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب — تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب

(۳) **مثنوی تحفۂ عاشقاں۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ** ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و گل بھی کہلاتی ہے۔

قضا را دسیا مجکوں یک بار کا — گل و ہرمز اُس شیخ عطار کا

ہوا شوق پیدا منجھے بعد ازاں — کہ دکنی زباں سوں کروں ترجماں

یہ مثنوی ۱۱۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اسکی تاریخ اسطرح مذکور ہے۔

دسے اسکی تاریخ مجکوں عیاں — پچھانو لسے **تحفۂ عاشقاں**

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے

کروں پاک دل ہور زباں پاک سوں — ثنا پاک اس عاشق پاک کوں

ڈی ٹاسی جلد دوم صفحہ ۲۲۲ فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد سوم صفحہ ۶ لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صفحہ ۴

یہ مثنوی بارہا بمبئی اور مدراس میں کئی بار چھپا ہے بمبئی ۱۲۱۱ھ ۱۳۱۹ھ مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۳۱۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسیقدر آخر میں کم ہیں مدراس کا ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے۔

آزاد

فقیراللہ نام ہے۔ حیدرآباد کے باشندے تھے فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے۔ ولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں۔ ولی نے انکی غزل پر غزل لکھی ہے۔ چنانچہ ایک شعر یہ ہے

آزاد سے سنا ہوں یہ مصرعۂ مناسب — جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہمکو آئیں ۔۔۔ پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر صنہ۱۰ میر حسن صنہ۴ گل رعنا صنہ۳

ولی بیجاپوری

بیجاپوران کا وطن ہے۔ محمد شاہ بادشاہ (ـــــــ) کے معاصر تھے۔ انھوں نے پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاری کے اقوال کو دکنی میں نظم کیا اور تنبیہ نامہ اسکا نام رکھا ہے۔ اس میں گیارہ سو بیس ابیات ہیں اور ۱۱۵۰ھ میں تمام ہوا ہے۔ کتاب کا نام، تاریخ تصنیف اور مصنف کا تخلص ابیات ذیل میں مذکور ہے۔

کیا بعد ازاں سن کے تیں جب قیاس ۔۔۔ ہوئے سن گیارہ سو اور پچاس

یہ تنبیہ نامہ کیا جب تمام ۔۔۔ نبی کے اسم سے کیا اختتام

الٰہی ولی کے تئیں بخش اب ۔۔۔ کر اُس کے گناہوں کو ناچیز سب

ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے

خداوند شاہنشہ برقرار ۔۔۔ وہ سبحان سب کا ہے پروردگار

صنعتی

دکنی شاعر اور محمد شاہ بادشاہ کے معاصر ہیں۔ ساگران کا وطن ہے۔ شاہزادہ مصر اور دختر فغفور کے عشق و محبت کی داستان دکنی میں نظم کی ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ ۱۰ ذی القعدہ ۱۱۵۹ھ کو تمام ہوئی ہے اور گلدستہ عشق اسکا نام ہے۔ تاریخ تصنیف اور مصنف کا تخلص ابیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

کہوں اسکی تاریخ میں اب بیاں ۔۔۔ رہو شاد سنکر ہمیں عاقلاں

سُنو کان دھرسن اول ہجرتی | "یو ہدیہ دیا دل لگت صنعتی"
اتھا شہر ذوالقعد ستر اہتمام | سٹیا مشتری خوش تھا مند پوکام
محباں کے حق میں دعا منگ شتاب | ارے صنعتی کر ختم توں کتاب

ابتدا اسکی اس بیت سے ہوئی ہے۔

ہوں اول صفت کہتا سبحان کا | رنچا کن سے جن کل ہے منڈ ان کا

یہ ثنوی قصہ فغفور چین کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں بمبئی میں چھپی ہے۔

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہی۔ گیارھویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کھرکی اسکا نام تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ دہلی (۱۰۲۷ء ۱۰۶۹ھ) کے ساتھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اسمقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اسکی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہوگئی۔ نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالا گھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ مقام بھی انکے قبضہ میں آگیا۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اُسنے کھرکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا۔ اور اسکا نام اورنگ آباد رکھا[1]۔ اسکے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت مغلیہ کا مرکز حکومت بنا رہا۔ اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے اُمرا اور علما و مشائخین جنکو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور و گولکنڈے کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان و منتشر ہوکر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان

[1] ہسٹاریکل و سکرپٹو جلد دوم طن ۲

اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو اُردو شاعری کا مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اُردو گو شعرا پیدا ہوئے جنکے حالات سید عبدالولی عزلت کی بیاض لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعرا میر بہاءالدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعرا میں تحریر ہیں اور اُن سے اخذ کر کے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہم نے بہ نظر اختصار صرف اُن شعرا کا حال درج کیا ہے جنھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولی (اورنگ آبادی)

ولی کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے میر حسن دہلوی مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نساخ نے انکا نام ولی اللہ لکھا ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں اور یوسف علی مرشدآبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے۔ مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی۔ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ۔ فتح علی گردیزی اور قیام الدین قیام نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے میر حسن دہلوی۔ قدرت اللہ قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ۔ اور مولانا آزاد نے گجرات کو ان کا وطن قرار دیا ہے اور اسکے ثبوت میں ابراہیم سایانی نے ولی کا حسب ذیل شعر پیش کیا ہے۔

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور　　　وطن گو اسکا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اسطرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور　　　اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد انکا وطن ہے۔ اور

شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ :۔

"مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است"

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبد الغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اسکی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے برخلاف اسکے لچھمی نارائن شفیق کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی۔ وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے۔ لوگوں نے نیلی گنبد میں دریا خاں کی گنبد کے قریب مدفون کیا۔

اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر کیا تھا لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اسمیں اختلاف ہے مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن انکے یہاں اسکی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اسکے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی مرشد آبادی۔ مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں نساخ نے اسکو نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے۔

قائم اپنے تذکرے میں بیان کرتے ہیں۔ عالمگیر کے چوالیسویں سال جلوس میں جو ۱۱۱۲ھ کے مساوی ہے ولی اپنے دوست سید ابو المعالی کے ساتھ دلی میں آئے۔ چنانچہ انکی اصل عبارت یہ ہے۔

"در سن چہل و چار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ سید ابو المعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتہ او بود بشاہ جہاں آباد آمد"۔

ولی کا سنہ وفات فرہنگ آصفیہ میں ۱۱۴۱ھ اور تذکرۂ شعرائے دکن میں ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے

جو ۵۔ جمادی الاول ۱۱۴۲ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اسکے خاتمہ پر تحریر ہے "تمام شد دیوان ولی رحمتہ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے ۱۱۴۳ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ ناپید ہوگیا ہے۔ اسوقت صرف دیوان ملتا ہے جسمیں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے آخر میں بند مستزاد مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں یہ پروفیسر ڈی ٹاسی نے دیوان کو ۱۸۳۴ء میں بمقام پیرس نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اسکے بعد ۱۸۵۸ء میں بمقام لکھنؤ مطبع منشی نولکشور میں چھپا۔ قریب قریب اسی زمانہ میں اسکا ایک اور ایڈیشن بمبئی میں شایع ہوا۔ لیکن یہ سب ایڈیشن اسوقت کمیاب ہیں حال میں ابراہیم سایانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ لکچرار ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شایع کیا ہے اور اسکی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جسمیں ولی کے حالات اور اس کی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرۂ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضتہ الشہدا کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ولی دکھنی کی تصنیف ہے اور اسکا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر تحریر کر دیا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد سوم ص ۲۸ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی اسپرنگر ص ۲۸ میر تقی ص ۹۴
میر حسن ص ۲۰۴ سخن شعرا ص ۵۵ گلشن ہند ص ۱۷ گلشن بیخار ص ۲۳۷ گلستان بیخزاں ص ۲۸۱
تذکرۂ شعرائے دکن ص ۱۲۷ گل رعنا ص ۲۸ آب حیات ص ۸۰ چمنستان شعرا نسخہ قلمی،
موجود کتب خانہ آصفیہ۔

داؤد

مرزا داؤد نام اور اورنگ آباد وطن ہے ولی کے معاصر ہیں ۱۱۶۰ھ میں انتقال کیا ہے

لچھمی نارائن شفیق نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں انکے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی ازجہاں

انکا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گزرا ہے جسمیں کم و بیش پانچسو اشعار ہیں جن سے انتخاب کرکے ہم ذیل میں تین شعر نقل کرتے ہیں۔

اس صنم کے خیال ابرو نے ۔۔۔ ناتواں مجکو جوں ہلال کیا،

مرا احوال چشم یار سے پوچھ ۔۔۔ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

چاندنی کی سیر کو کسطرح نکلے وہ صنم ۔۔۔ دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

میر تقی ص۱۱۱ سخن شعرا ص۱۵۰ گل رعنا ص۹۲ تذکرہ شعرائے دکن ص۲۶۴

سراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے مشائخین سے تھے ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اورنگ آباد نے لکھے ہیں ان میں اسکا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اسکا کہیں ذکر کیا ہے،

سراج نے اُردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں جسمیں غزل، قصیدے رباعی، مستزاد، مخمس، واسوخت، جملہ اصناف سخن موجود ہیں بوستان خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو ۱۱۶۰ھ میں تمام ہوئی ہے اسکے علاوہ اپنے دواوین کا ایک انتخاب ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو انکی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے۔ سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ و ترتیب اور عمر کو اسطرح بیان کیا ہے،

جب کیا جزو پریشان سخن شیرازہ بند　　تھے برس چو بیس میری عمر بے بنیاد کے
سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک　　واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے
ای سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے　　خانۂ مژگان خوباں سیں ہیں قابل صاد کے

میر حسن ص۱۰۱ میر تقی ص۱۰۱ گل رعنا ص۱۰۰ سخن شعرا ص۲۱۳ تذکرہ شعرائے دکن ص۲۰۴ لسان العصر جلد اول نمبرہ ص۳۳

دہلی میں زبانِ اُردو

اُردو زبان نے دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کر لی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا۔ برخلاف اسکے ہندوستان میں بارھویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور لین دین تک محدود تھی مولانا جمالی[۱]۔ مُلا نوری[۲] اور شیخ سعدی[۳] وغیرہ نے اگرچہ کہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اُردو میں ہیں لیکن یہ باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی اسلئے اُسے ہم اُردو شاعری کا سنگِ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہ جہاں بادشاہ ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ کا عہد اُردو کے لئے مبارک عہد تھا اس عہد میں اُردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ

---

[۱] مولانا جمالی شہنشاہ بابر کے معاصر تھے ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ دہلی میں انکا مزار ہے۔

[۲] ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے۔ اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے میر حسن نے انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو آدھا اردو اور آدھا فارسی ہے۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد　　بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

[۳] شیخ سعدی۔ ان کیلئے ضمیمہ اول ملاحظہ کیجئے۔

بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسرِ پیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا۔ یہ شقہ کسی طرح اورنگ زیب کو مل گیا۔ اور اسکی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جسمیں لکھتا ہے

آں فرمانِ عالی کہ در زبانِ ہندی از دستخطِ خاص رقم فرمودہ شاہد ایں معانی است[1]

عالمگیر اورنگ زیب (سنہ ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن اُن میں کثرت سے اُردو الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً

"در ارسال ڈالی انبہ بہ تلافیٔ مافات کوشند"

"دریں ضمن کرسی کیچکڑہ نیز بنظر گذشت"

"مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستاں یاد می آید"

"دو چار گھڑی روز ماندہ باز دیوان عام می فرمودند"

"شادیانۂ فتح بنوازند و حرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی دھوں دھوں"

اس زمانہ میں دربار و اہلِ دربار کی زبان فارسی تھی سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی۔ باوجود اسکے شاہ جہاں کا اُردو میں شقہ لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اُردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اُردو زبان اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہو گئی تھی۔ بازار سے شاہی محلات تک خاص و عام اسکو بولتے اور سمجھتے تھے۔

عالمگیر کے عہد میں لغاتِ اُردو کی تدوین

قریب قریب اسی زمانے میں اہلِ ہندوستان کو اُردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا ملا عبد الواسع ہانسوی نے (جن کی قواعد فارسی اور گلستاں بوستاں کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اُردو و ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور اُسکا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی

[1] عالمگیر کی یہ عرضداشت دستور العمل آگہی میں موجود ہے ۱۲

فارسی میں لکھے۔ ایک عرصہ کے بعد سراج الدین علیخاں آرزو المتوفی ۱۱۶۹ھ نے اس کی نظرثانی کی۔ بہت سے الفاظ اور معنی اضافہ کئے۔ غلطیاں درست کیں اور اُسے نوادر الالفاظ کے نام سے موسوم کیا[۱]

فارسی شعراء اور اُردو زبان،

عالمگیر کے زمانہ سے دلی میں اُردو شعرگوئی نے رواج پایا اور اس جانب سب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خاں فطرت[۲] مرزا عبد القادر بیدل[۳]۔ مرزا عبد الغنی قبول[۴] وغیرہ وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لئے اُردو میں بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہی کیفیت رہی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں وؔلی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔ اہل دہلی نے اسکی خوب قدر کی۔ اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے شخاص

---

[۱] ریو جلد دوم ص۵۰۱ جلد سوم ص۹۹۶ و ص۱۰۳۰ و ص۱۰۱۱

[۲] میرزا معز الدین محمد موسوی خاں فطرت۔ مشہد مقدس انکا وطن ہے ۱۰۸۰ھ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے۔ عالمگیر کے امرا میں انکا شمار ہوتا ہے۔ فارسی کے نامور شاعر ہیں ۱۱۰۱ھ میں انکا انتقال ہوا ہے۔ ماثر الامرا جلد سوم ص۶۲۳ خزانہ عامرہ ص۴۲۹ سرو آزاد ص۱۲۶ نتائج الافکار ص۳۹۵

[۳] میرزا عبد القادر بیدل عظیم آباد پٹنہ انکا وطن ہے۔ شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے ۱۱۳۳ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص۱۴۸ نتائج الافکار ص۸۰۔ میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں انکے دو شعر نقل کئے ہیں،

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں | اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا | پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

[۴] میرزا عبد الغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا جویا کے شاگرد ہیں ۱۱۳۹ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص۱۹۰) نسلاخ نے رسالۂ تحقیق زبان ریختہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے:

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن
تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

شعر گوئی کی جانب متوجہ ہوگئے[۱]۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایہ تخت میں شعرائے اُردو کا گروہ کثیر پیدا ہوگیا۔ منجملہ اُنکے جن شعرانے شہرت حاصل کی ہے اُنکی تفصیل یہ ہی۔

دَورِ اول کے شعراء

شاہِ مبارک آبرو ۔ ان کا نام نجم الدین ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بمقام شاہجہاں آباد اُن کا انتقال ہوا ہے[۲]

شیخ شرف الدین مضمون ۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام باج مؤ انکی ولادت ہوئی ہی زمانۂ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں[۳]

محمد شاکر ناجی ۔ شاہ جہاں آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر خاں کے متوسل تھے۔ شاہ مُبارک آبرو کے معاصر ہیں ۱۱۶۳ھ میں انکا انتقال ہوا ہی[۴]

مصطفٰے قلی خاں یکرنگ ۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا۔ خاں جہاں خاں لودہی کے نبیرے اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری منصبدار تھے۔ دہلی میں انکا انتقال ہوا ہی[۵]

شیخ ظہور الدین حاتم ۔ شاہ جہاں آباد انکا وطن تھا۔ عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے اُستاد تھے انکے دو دیوان ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی انکا انتقال ہوا ہی[۶]

۱؎ رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص۶

۲؎ میر تقی ص۹ میر حسن ص۴۳ گلشن ہند ص۲۵ گلشن بنجار ص۶ سخن شعرا ص۵

۳؎ میر تقی ص۱۵ میر حسن ص۱۶۹ گلشن ہند ص۱۶۰ گلشن بنجار ص۱۸۱ سخن شعرا ص۴۷

۴؎ میر تقی ص۲۳ میر حسن ص۱۵۹ گلشن ہند ص۱۷۲ گلشن بنجار ص۲۲۰ سخن شعرا ص۵۵

۵؎ میر تقی ص۱۸ میر حسن ص۲۱۶ گلشن ہند ص۱۹۵ گلشن بنجار ص۲۴۴ سخن شعرا ص۵

۶؎ میر تقی ص۷۹ میر حسن ص۸۰ گلشن ہند ص۸۱ سخن شعرا ص۱۳۰

اشرف علیخاں فغاں احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے احمد شاہ درّانی کی فوج کشی کے بعد دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت اختیار کرلی ۱۱۸۶ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا [۱]

یہ شعرا دور اول کے تھے اسکے بعد دور ثانی شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (۱۱۹۵ھ) میر تقی میر (۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (۱۱۹۹ھ) میر سوز (۱۲۱۳ھ) قیام الدین قائم (۱۲۰۸ھ) انعام اللہ خاں یقین۔ احسن اللہ خاں بیان (۱۲۱۳ھ) وغیرہ نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے۔

نثر اُردو

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریبًا تیس سال پہلے دکن میں نثر اردو کی ابتدا ہو چکی تھی شیخ **عین الدین** گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ **معراج العاشقین** ۔ **نشاط العشق** کا ترجمہ یہ سب آٹھویں اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے اور ان سے نثر اردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

شیخ **عین الدین** کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور انکا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا۔

مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے **معراج العاشقین** کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب ادبی نہیں ہے بلکہ تصوف کی ہے۔ تاہم اس سے اُس زمانے کی زبان کا تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے

[۱] میر تقی ص۸۹ میر حسن ص۱۴۲ گلشن ہند ص۱۳۰ سخن شعرا ص۳۶۹

حضرت میران جی شمس العشاق نے بھی نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں منجملہ اسکے دو رسالے ہمنے بھی دیکھے ہیں۔ ایک کا نام جل ترنگ اور دوسرے کا گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے اسرار و نکات تمثیل کے پیرائے میں بیان کئے ہیں۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ-۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں ملا وجہی ایک دکنی شاعر گذرے ہیں۔ دربار گولکنڈہ کے متوسل اور ملا غواصی کے معاصر تھے۔ ۱۱ ذی القعدہ ۱۰۴۱ھ کو سلطان عبداللہ کے محل میں شاہزادہ تولد ہوا تو انھوں نے مصرع ذیل سے اسکی تاریخ نکالی اور اُسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

"آفتاب از آفتاب آمد پدید"

ملا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں اس واقعہ کو بدیں الفاظ بیان کیا ہے۔

"بہ شکرانۂ ایں موہبت خاقان سکندر منزلت سلیقی کلی بعلماء و فضلاء و صلحاء اکرام و احسان فرمودند و بفقراء و مساکین نقود و اجناس بسیار تصدق نمودند۔ و جمعی از شعراء تاریخہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رسانیدند۔ ازاں جملہ سہ تاریخ مرقوم گردید۔ اول تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است "آفتاب از آفتاب آمد پدید"۔

ملا وجہی نے ۱۰۴۵ھ میں ایک کتاب سب رس کے نام سے نثر اردو میں لکھی ہے، اسکی عبارت اول سے آخر تک مسجع و مقفیٰ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا وجہی نے اسکے لکھنے میں ملا نورالدین ظہوری کی سہ نثر کی تتبع کی ہے جو سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھی گئی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اس میں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے یہ مضمون رسالہ اردو کی جلد چہارم میں شایع ہوا ہے۔

شرح تمہیدات عین القضاۃ

عین القضاۃ ہمدانی قرن ششم کے اولیائے کبار سے ہیں آپ کا نام ابو الفضائل عبداللہ بن محمد ہے ہمدان میں پیدا ہوئے، شیخ محمد بن حمویہ کے شاگرد اور شیخ احمد غزالی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ اور ان میں تصوف کے اسرار و حقائق کو اس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ایسا کسی دوسرے مصنف نے کم بیان کیا ہوگا۔ ۵۲۳ھ میں انتقال ہوا۔ اور قزوین میں مدفون ہوئے[1]۔

تمہیدات کے نام سے آپ نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اور اس میں تصوف کے رموز شرع و عقائد کے مسائل بعض آیات قرآنی کے حقائق و دقائق بیان کئے ہیں۔ قرن یازدہم کے نصف آخر میں سید میران جی حسینی نے دکنی زبان میں اسکا ترجمہ کیا ہے۔ یہ بزرگ حیدرآباد کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ ابتداً شاہی ملازمین میں شامل تھے۔ سلطان علی عادل شاہ ۱۰۶۷ھ میں برسر حکومت ہوا تو سلطان عبداللہ نے انھیں سرکاری ضرورت سے بیجاپور بھیجا۔ وہاں شیخ امین الدین اعلیٰ سے ملاقات ہوگئی اور انکی توجہ سے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہوگیا۔ اسکے بعد حیدرآباد واپس آئے اور مسند مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۰۔ جمادی الاول ۱۰۷۸ھ کو انتقال کیا۔ حیدرآباد اور گولکنڈہ کے مابین موضع عبداللہ پور میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند شاہ امین الدین ثانی نے مزار پر گنبد بنوایا جو اسوقت موجود ہے اور مکڑی کی گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے ترجمہ تمہیدات کے علاوہ دکنی زبان میں کئی رسالے لکھے ہیں مثلاً رسالہ وجودیہ، رسالہ قربیہ وغیرہ تمہیدات کا ترجمہ کس عہد میں تمام ہوا ہے اس کا تذکرہ دیباچہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شیخ امین الدین کی بیعت اور بیجاپور کی واپسی کے بعد شاہ صاحب نے اسے

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۴۴۴۔ سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۶۸۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۳۴۰ نتائج الافکار صفحہ ۲۶۹ محبوب الاولیا صفحہ ۱۰۲

تصنیف کیا ہے۔ اِس بنا پر ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ ۱۰۶۹ھ کے حدود میں وفات سے کچھ عرصہ پہلے یہ ترجمہ تمام ہوا ہے۔

شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء

شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء عظام سے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہونچکر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ صفر ۷۳۲ھ کو انتقال فرمایا[1]۔

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گزرے ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اسکا نام نفائس الانفاس رکھا ہے اسکے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء کے نام سے لکھی ہے[2] اسکے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور اُنھیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے،

۱۰۷۰ھ کے بعد یعنی سلطنت قطب شاہی کے انقراض (۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اسکا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے[3]۔ یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کئے ہیں جنکی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال، ہور سالکان کے مقامان ہور مریداں ہور طالباں کے طلباں، ہور اسکے عجائبات، ہور باریکیاں کی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] مراۃ الاسرار ۱۲

[2] شمائل الاتقیاء کے لئے دیکھئے ایتھے نمبر (۱۸۳۶)

[3] یہ ترجمہ کتب خانہ آصفیہ میں فن تصوف کے نمبر (۶۶۳) پر موجود ہے ۱۲

دوسرا قسم۔ حقیقت کے لوگاں یعنے پیغمبراں، ہور خاص الخاص ولیاں کے بیاں ہیں،
تیسرا قسم۔ خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی چگونگی کا۔ ہور ازل، ہور ابدالآباد کے
بیان کا، ہور امر، ہور حکم، ہور قضا، ہور قدر کے نازکیاں کا ہور محمد کے جنس جنس کے
لوازماں کا بیان،
چوتھا قسم۔ مہتر آدم کی پیدائش کا، ہور صفتاں کا، ہور دنیا کے بڑیاں کا، ہور گنہگار
بندگان امیدواران ہور نیو کے میں خدا کے عنایات کا بیان،

نورِ دریا قادری کے رسالے

رائچور میں جسکا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[۱] ایک خاندان نور دریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید شاہ محمد قادری[۲]۔ بیجاپور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلیٰ[۳] المتوفی ۱۰۸۵ھ کے خلیفہ تھے عالمگیر کے زمانے میں گزرے ہیں آپ نے زبان دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں منجملہ انکے ایک مجموعہ میں ہمنے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

معرفۃ السلوک

شیخ محمود خوش دہاں: بیجاپور کے مشہور بزرگ ہیں شاہ برہان الدین جانم کے مرید اور شاہ امین الدین اعلیٰ کے پیر تربیت تھے ۹۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور روضہ امین الدین اعلیٰ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے فارسی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام معرفت[۴] السلوک ہے۔ شاہ ولی اللہ قادری نے اپنے مرشد شاہ حبیب اللہ قادری کے ایما سے ۱۱۰۹ھ میں بزبان دکنی اسکا ترجمہ کیا۔ یہ بزرگ

[۱] مآثر عالمگیری ص ۳۳۲
[۲] روضۃ الاولیا بیجاپور ص ۲
[۳] روضۃ الاولیا ص ۱۲۴
[۴] یہ کتاب ۱۸۸۱ء میں نولکشور پریس میں چھپی ہے۔

حیدر آباد میں رہا کرتے تھے۔ نواب انور الدین شہامت جنگ کو ان سے خاص ارادت تھی۔ ۲۹۔ محرم ۱۱۴۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا حیدر آباد میں شہر سے باہر باغ گوڑ دہن کے قریب مدفون ہوئے مزار اور چبوترہ سراج الدولہ نواب محمد علی خاں والاجاہ حاکم ارکاٹ نے بنوایا ہے۔

اسرار التوحید قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ سید شاہ میر نام قصبہ راجوتی میں گزرے ہیں۔ آپ نے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اسکا نام اسرار التوحید رکھا ہو[1]

یہ مختصر سرگذشت ہے اُن تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارھویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں۔ اسکے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے اُن تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارھویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں۔ تاہم اس قدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ لیکن ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں بلکہ جس قدر ہیں وہ سب تصوف اور مسایل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں نثر اردو کی ابتدا شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارھویں صدی سے شروع ہوئی ہے۔ اور سب سے پہلی کتاب جو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی وہ مجلس ہے۔

یہ کتاب ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے[2]۔ اسکے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا[3]۔ قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین خاں تحسین نے

---

[1] یہ رسالہ ۱۳۱۳ھ میں حیدر آباد میں چھپ گیا ہے۔

[2] آب حیات ص۲۶

[3] گلشن ہند ص۱۲۵

نوطرزِ مُرصّع لکھی۔[۱] یہ سب نثر اُردو کی ابتدائی کتابیں تھیں۔

انھیں ایام میں کلکتہ میں **فورٹ ولیم کالج** قائم ہوا اور انگریزوں کو اُردو سکھانے کے لئے ڈاکٹر **جان گل کرسٹ** نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں۔[۲] اسکے بعد نثر نویسی کو رواج عام ہوگیا۔

۱؎ تذکرۂ خوشنویسان ص۱۲۸

نوطرزِ مرصع نواب شجاع الدولہ (۱۱۶۶ھ تا ۱۱۸۸ھ) کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے۔ اسمیں چہار درویش کا فسانہ مذکور ہے۔

۲؎ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمایش سے نثر اُردو میں جسقدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھئے۔

دیباچہ گلشن ہند از مولوی عبدالحق صاحب ص۴ تا ص۶ گل رعنا ص۳۶ تا ص۳۸ اردو زبان اور اہل یورپ از مولوی عبدالحق صاحب مندرجہ رسالہ اُردو جلد سوم ص۴۹۴ تا ص۵۰۵

ضمیمۂ اوّل

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ (۱۱۱)

اُردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں تذکرہ نویسوں نے انکے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں[1]

تشقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا ریت ہے	گفتا در اے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے
اے مردماں شہر شما کتنی بُری یہ ریت ہے	ہے ہے نمی پُرسد کسے پردیسیا مار یت ہے
ہمنا تمن کو دل دیا۔ تم دل لیا اور دُکھ دیا	ہم یہ کیا، تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے
دونین کی کھیہ کہوں۔ رو رو بخون دل کروں	پیش سگ کوئیت دھروں پایا نہ جائے میت ہے
سعدی طرح انگیختہ شیر و شکر آمیختہ	در ریختہ، دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں نے ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہے چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

"اتفاق بعضے از مورخین بر ان ست کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ روحہ در ہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستان خودش ایمائے براں فرمودہ اند کردند و لختے بر زبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بر سبیل تفنن بقید نظم در آوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو بر ہماں بنا طرح نغز ہائے بسیار بکار بردند۔ ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویاں حال است و از عبارات غیر مانوس مالامال لیکن بپاس طبیعت مشتاقاں ہر جنس سخن دو سہ چہار بیت ازاں ابیات تبرکاً و تیمناً دریں مقام ظلمی میگردد و از آثار و احوال ایں ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخان سلف در کتب تاریخ

[1] یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں ۱۲

متداولہ ضبط نمودہ اند اظہر من الشمس وابین من الامس است"

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ گو، سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور انھیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی کا بیان ہے۔

"سعدی دکھنی آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکھنی از شعرائے قرار دادہ دکن است و آنکہ بعضے اغرہ را بہ سبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از عدم اعتنا و قلت تتبع بنام سعدی شیرازی مرقوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انھیں دکن سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ-۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے ۱۰۰۲ھ میں انکا انتقال ہوا ہے۔ ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے[1]

بختاور خاں نے لکھا ہے کہ :-

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعرے نیکو گفتے"

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی انکا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ص۲۸

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار خویش شیخ محمد مرحوم داشت و شیخ محمد شرحے فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب ہفتاد جزو۔ خلف صدق شیخ سعدی صاحب وجد و حال قوی بود و ظاہر و باطن مصفا داشت و دائم منبسط و متشرع بودے و خوش وقت و آزاد زیستے بیکے از احباب رقعہ ہنگام وداع نوشتہ بود دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

وفاتش در ۱۰۰۲ھ اثنی والف بود"

---

[1] طبقات اکبری ص۳۹۵

ضمیمۂ دُوم

طوطی نامہ[1]

متعلقہ صفحہ ۶۵

شکاسب تتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے جسکے معنے ہیں "طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں" مولانا ضیاء الدین نخشبی[2] نے ان ستر کہانیوں سے باون کہانیاں انتخاب کر کے فارسی میں انکا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ سنہ ۷۳۰ھ میں تمام ہوا۔

اسکی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اسلئے فارسی میں اسکے متعدد خلاصے لکھے گئے علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں انکا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ اسکی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مولانا نخشبی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اسکا خلاصہ کیا۔

(۲) ملا سید محمد قادری نے مولانا نخشبی کی باون حکایات سے پینتیس حکایات انتخاب کر کے انھیں گیارھویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلا نایاب ہے دوسرا ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں اور ۱۸۰۱ء میں لندن میں چھپا ہے اسکے بعد بمبئی سے اسکے کئی ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے۔

---

[1] یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالہ مخزن بابتہ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء میں طوطا کہانی کے عنوان سے شایع ہوا ہے اور اسمیں ہمنے طوطی نامہ کی اصلیت اور اسکے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔

[2] مولانا ضیاء الدین نخشبی بہت بڑے عالم اور فارسی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں بدایوں کے رہنے والے تھے ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ طوطی نامہ کے علاوہ سلک السلوک عشرۂ مبشرہ کلیات و جزئیات انکی مشہور و مقبول عام تصنیفات ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں انکا ذکر کیا ہے۔

مولانا نخشبی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم (۹۲۶ھ سے ۹۷۴ھ) شیخ عبداللہ صاری نے ترجمہ کیا جو ۱۲۵۶ھ میں بولاق میں اور ۱۳۰۱ھ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے جارج رازین GEORGE RCSEN نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۵۸ء میں لیزگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکھنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ اسکا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے ۱۰۶۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرانس GAIRANS نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے۔

ملا سید محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکھنی میں ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں اسکا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

(۲) اردو میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمایش سے ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا۔ اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربس کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے ہندستان میں اسکے بیشمار اڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتی ہے۔

(۳) انگریزی میں گلاڈوین GLADWIN نے ترجمہ کیا ہے جو فارسی متن کیساتھ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں چھپا ہے۔

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن IKEN نے ترجمہ کیا جو ۱۸۲۲ء میں اسٹگرٹ میں طبع ہوا ہے۔

ریو ۵۳۲۔ ایتھے نمبر ۴۳، ۵۲، ۔ رینکر جلد اول نمبر ۳۰

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

سنسکرت (اصل)

خلاصے

- ابوالفضل علامی کا خلاصہ دسویں صدی
- سید محمد قادری کا خلاصہ گیارھویں صدی
  - دکھنی ترجمہ سنہ ۱۱۴۲ھ
  - انگریزی ترجمہ از گلاڈوین سنہ ۱۸۰۰ء
  - اردو ترجمہ سید حیدر بخش حیدری سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء
    - ہندی ترجمہ جسکا نام ہے شوک بہتری سنہ ۱۸۰۶ء
  - جرمن ترجمہ پروفیسر اکمن سنہ ۱۸۲۲ء

ترجمے

- ترکی ترجمہ از عبداللہ صاری نابین سنہ ۹۴۶ھ و ۹۵۰ھ
- دکھنی ترجمہ از ملا غواصی سنہ ۱۰۴۹ھ
- دکھنی ترجمہ ابن نشاطی سنہ ۱۰۷۶ھ
- انگریزی ترجمہ جیرالس سنہ ۱۷۹۲ء
- جرمن ترجمہ جارج روزین سنہ ۱۸۵۸ء

ضمیمۂ سوم

حسن ودل

متعلقہ صفحہ

حسن ودل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے اور اسکو نظم ونثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) مولانا فتاحی۔ ان کا نام محمد بن یحییٰ سیبک ہے۔ سلطان شاہ رخ مرزا کے زمانے میں گذرے ہیں۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے ۸۵۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے کئی تخلص تھے۔ تفاحی۔ فتاحی۔ اسراری۔ خماری۔ لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے۔ حسن ودل اور شبستان خیال۔ انکی مشہور تصنیفات ہیں۔

حسن ودل کا نام دستور عشاق ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے اس میں پانچ ہزار ابیات ہیں ۸۴۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں اسکا ذکر مصنف نے اسطرح کیا ہے۔

پئے ایں روضۂ بستان عالم　　چو تاریخ تمامش دار "حرم"

گرین شیلڈ GREENSHIELD نے اسے ۱۹۲۶ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ برلن میں چھپوایا ہے۔

دولت شاہ طبع لیڈن ص ۴۱۲ بمبئی ص ۱۸۱۔ لاہور ص ۲۹۰۔ حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۱۴۲۔

(۲) مولانا صرفی۔ نام صلاح الدین ہے۔ سادہ کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ زمانہ ملا نظام الدین احمد بخشی کے ساتھ گجرات میں بسر کیا۔ پھر فیضی کے ساتھ دکن چلے گئے اور وہیں انکا انتقال ہوا۔ حسن ودل کو انھوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے۔ یہ نہایت مؤثر اور زوردار مثنوی ہے ۹۹۲ھ میں تمام ہوئی ہے "عاشق ومعشوق" سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔

طبقات اکبری ص ۴۸۹ بدایونی ص ۲۵۹۔ آتشکدہ ص ۲۶۹

(۳) بیخود - مُلّا جامی - ان کا لقب ہے - لاہور کے رہنے والے تھے - عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں گذرے ہیں - بادشاہ نے انھیں نام دار خاں کا خطاب عنایت کیا تھا - تاریخ خوب کہا کرتے تھے ۱۱۰۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے حسن و دل کو اُنھوں نے بھی نظم کیا ہے نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اسکی مصرع ذیل سے ہوئی ہے -

الٰہی بہ مستان بزم نیاز

سرخوش نے کلمات الشعرا میں ان کے حالات لکھے ہیں -

(۴) خواجہ محمد بیدل - یہ بزرگ شیخ عبدالقادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گذرے ہیں - انھوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے " داغ دلبند " سے اسکی تاریخ نکالی ہے - ابتدا کی پہلی سطر یہ ہے -

گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال -

حسن و دل کے متعلق بعض مفید معلومات کیلئے دیکھیئے ڈاکٹر اِیتھے کا مضمون

NEUPERSISCHEN

LITTERATUR,

G. I. PH. VOL. II PP. 334.

کتابیات

تاریخ

	نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱)	دول الاسلام	امام شمس الدین ذہبی	حیدرآباد سنہ ۱۳۳۷ھ
(۲)	المختصر فی اخبار البشر	ابوالفدا حموی	مصر سنہ ۱۳۲۵ھ
(۳)	تاریخ جہانکشائے	ملا علاء الدین جوینی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴)	جامع التواریخ	وزیر رشید الدین فضل اللہ ہمدانی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۵)	طبقات ناصری	قاضی منہاج الدین جورجانی	کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
(۶)	روضۃ الصفا	میر خواند محمد بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۰۳ھ	بمبئی سنہ ۱۲۹۱ھ
(۷)	حبیب السیر	میر غیاث الدین اخوند میر المتوفی سنہ ۹۴۲ھ	بمبئی سنہ ۱۲۷۳ھ
(۸)	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء
(۹)	بابر نامہ	محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ	قازان سنہ ۱۸۵۷ء
(۱۰)	آئین اکبری	شیخ ابوالفضل علامی	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء
(۱۱)	طبقات اکبری	ملا نظام الدین احمد بخشی	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۵ء
(۱۲)	اقبال نامہ جہانگیری	محمد شریف معتمد خاں	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۰ء
(۱۳)	منتخب التواریخ	شیخ عبد القادر بدایونی	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۵ء
(۱۴)	تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۴ء
(۱۵)	منتخب اللباب جلد سوم	محمد ہاشم خافی خاں	کلکتہ سنہ ۱۹۲۵ء
(۱۶)	حدیقۃ السلاطین	ملا نظام الدین احمد شیرازی	قلمی مملوکہ مولوی سید علی اصغر بلگرامی
(۱۷)	حدیقۃ العالم	نواب میر عالم موسوی	حیدرآباد سنہ ۱۳۱۰ھ

نمبر	کتاب	مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱۸)	بساتین السلاطین	محمد ابراہیم زبیری	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۰ء
(۱۹)	مآثر عالمگیری	محمد ساقی مستعد خاں	کلکتہ سنہ ۱۰۰۳ء
(۲۰)	مرآۃ احمدی	علی محمد خان دیوان	بمبئی سنہ ۱۳۰۰ھ
(۲۱)	تحفۃ الکرام	علی شیر قانع	دہلی سنہ ۱۳۰۰ھ
(۲۲)	سلسلہ آصفیہ	سررشتہ علوم و فنون سرکار عالی	آگرہ سنہ ۱۸۹۵ تا ۱۹۰۴ء
(۲۳)	تاریخ خورشید جاہی	منشی غلام امام خاں دہلوی	حیدرآباد سنہ ۱۲۸۰ھ

(تراجم صوفیہ)

نمبر	کتاب	مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۲۴)	اسرار الاولیا	خواجہ بدرالدین	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۵)	جواہر فریدی		لکھنؤ
(۲۶)	اخبار الاخیار	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	دہلی سنہ ۱۸۰۶ء
(۲۷)	سفینۃ الاولیا	محمد دارا شکوہ	لکھنؤ سنہ ۱۸۸۴ء
(۲۸)	خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۳ء
(۲۹)	زاد المتقین	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	قلمی

(تراجم شعرا)

نمبر	کتاب	مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۳۰)	لباب الالباب	نورالدین محمد عوفی	لیڈن سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۱)	ہفت اقلیم	امین احمد رازی	کلکتہ سنہ ۱۹۱۰ء
(۳۲)	سرو آزاد	میر غلام علی آزاد بلگرامی	لاہور سنہ ۱۹۱۳ء
(۳۳)	نتائج الافکار	محمد قدرت اللہ خاں گوپاموی	مدراس سنہ ۱۲۵۹ھ
(۳۴)	گلستان سخن	مرزا قادر بخش صابر	لکھنؤ سنہ ۱۲۷۱ھ

(۳۵)	نکات الشعراء	میر تقی میر	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۰ء
(۳۶)	تذکرہ شعرائے ریختہ	میر حسن دہلوی	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۲ء
(۳۷)	گلشن ہند	مرزا علی لطف	لاہور سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۸)	گل رعنا	مولوی عبد الحی ندوی	اعظم گڈھ سنہ ۱۳۴۳ھ
(۳۹)	گلشن بیخار	نواب مصطفے خاں شیفتہ	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۰)	گلستان بیخزاں	محمد قطب الدین باطن	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۱)	آبحیات	مولوی محمد حسین آزاد	دہلی سنہ ۱۸۹۷ء
(۴۲)	تذکرہ شعرائے دکن	مولوی عبد الجبار ملکاپوری	حیدرآباد سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴۳)	مخزن نکات	محمد قیام الدین قایم	قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ
(۴۴)	چمنستان شعرا	لچھمی نارائن شفیق	قلمی مخزونہ کتب خانہ آصفیہ

(تراجم عام)

(۴۵)	سبحۃ المرجان	میر غلام علی آزاد بلگرامی	بمبئی سنہ ۱۳۰۳ھ
(۴۶)	نجوم السماء	محمد صادق لکھنوی	لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ھ
(۴۷)	محبوب الالباب	مولوی خدا بخش خاں	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۰ھ
(۴۸)	تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی	لکھنؤ سنہ ۱۸۹۴ء
(۴۹)	تذکرہ خوشنویساں	غلام محمد ہفت قلم	کلکتہ سنہ ۱۹۱۰ء
(۵۰)	روضۃ الاولیاے بیجاپور	محمد ابراہیم زبیری	رائچور سنہ ۱۳۰۳ھ
(۵۱)	سخن شعرا	عبد الغفور خاں نساخ	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ

متفرق

(۵۲)	عجائب الاسفار	ابن بطوطہ	لاہور سنہ ۱۸۹۷ء

(۵۳) آثار الصنادید	ڈاکٹر سر سید احمد خاں	کانپور سنہ ۱۹۰۴ء
(۵۴) باغ و بہار	میر امن دہلوی	لندن سنہ ۱۸۰۹ء
(۵۵) دریائے لطافت	انشاءاللہ خاں انشا	لکھنؤ سنہ ۱۹۲۰ء
(۵۶) تحقیق زبان ریختہ	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنؤ سنہ ۱۸۹۰ء
(۵۷) دبستان مذاہب	ذوالفقار اردستانی	کلکتہ سنہ ۱۲۲۴ھ
(۵۸) جذب القلوب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	کلکتہ سنہ ۱۲۷۱ھ
(۵۹) منتخبات فارسی	موسیو شیفر	پیرس سنہ ۱۸۸۵ء
(۶۰) ترجمۂ انوار سہیلی	محمد ابراہیم بیجاپوری	مدراس سنہ ۱۸۴۰ء
(۶۱) کشف الظنون	حاجی خلیفہ مصطفےٰ چلپی	مصر سنہ ۱۳۱۰ھ
(۶۲) ریاض الجنان	محمد باقر آگاہ	حیدر آباد سنہ ۱۳۰۰ھ
(۶۳) بحر الفضائل	محمد بن قوام بن رستم بلخی	قلمی کتب خانہ آصفیہ
(۶۴) آدات الفضلا	قاضی خاں بلا نذر محمد دہلوی	؍ ؍ ؍
(۶۵) شرف نامہ	قوام الدین ابراہیم فاروقی	؍ ؍ ؍
(۶۶) مؤید الفضلا	شیخ لاد دہلوی	لکھنؤ سنہ ۱۸۸۶ء
(۶۷) بہار عجم	ٹیک چند بہار	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء
(۶۸) رسالہ اردو	انجمن ترقی اردو بابت سنہ ۱۹۲۴ء سنہ ۱۹۲۸ء	
(۶۹) لسان العصر	بابت سنہ ۱۹۱۰ء	
(۷۰) اورنٹیل کالج میگزین	بابت سنہ ۱۹۲۵ء	

(انگریزی فرانسیسی جرمنی)

(۷۱) فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم مرتبہ چارلس ریو — لندن ۱۸۷۹ء تا ۱۸۸۳ء

(۷۲) فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس مرتبہ ہرمن ایتھے — لندن ۱۸۹۰ء

(۷۳) فہرست کتب خانہ شاہان اودھ مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر — کلکتہ ۱۸۵۴ء

(۷۴) فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان مرتبہ میجر اسٹوارٹ — لندن ۱۸۰۹ء

(۷۵) فہرست مخطوطات اردو انڈیا آفس مرتبہ بلوم ہارٹ — لندن ۱۸۲۶ء

(۷۶) فہرست مخطوطات اُردو برٹش میوزیم مرتبہ بلوم ہارٹ — لندن ۱۸۲۷ء

(۷۷) ذخیرہ کرنل میکنزی مرتبہ ڈاکٹر ولسن — کلکتہ ۱۸۱۰ء

(۷۸) فہرست مخطوطات جرمن اورنٹیل سوسائٹی — لیپزگ ۱۹۱۱ء

(۷۹) فہرست مسکوکات مغلیہ انڈین میوزیم مرتبہ نلسن رائٹ — ۱۹۰۶ء

(۸۰) فہرست مسکوکات مغلیہ پنجاب میوزیم مرتبہ وائٹ ہیڈ — ۱۹۱۴ء

(۸۱) تاریخ ہندوستان مولفہ جنرل الفنسٹن — لندن ۱۹۰۵ء

(۸۲) تاریخ ہندوستان مولفہ سرہنری الیٹ — لندن ۱۸۶۷ء

(۸۳) جدید آریائی السنہ کا گرامر مولفہ مسٹر بیمس — لندن ۱۸۶۰ء

(۸۴) ہندوستانی فیلالوجی مولفہ ڈاکٹر گل کرسٹ — لندن ۱۸۱۰ء

(۸۵) ایشیاٹک ریسرچز ڈاکٹر کولبروک

(۸۶) تاریخ ادبیات ہندوستان ڈاکٹر ونٹرنٹز — لینزگ ۱۹۰۵ء

(۸۷) تاریخ ادبیات ہندی ہندوستانی ڈاکٹر گارسن ڈی ٹاسی — پیرس سنہ ۱۸۷۰ء

(۸۸) ادبیات فارسی — ہرمن ایتھے — اسٹراسبرگ سنہ ۱۸۹۶ء

(۸۹) ضمیمہ مسکوکات رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی — سنہ ۱۹۰۴ء

(۹۰) پراکرت پرکاش — لندن سنہ ۱۸۶۰ء

قدیم تصنیفات

قدیم تصنیفات کے قلمی اور چھپے ہوئے نسخے جو دوران تالیف
میں مؤلف کے پیش نظر رہے ہیں،

احکام الصلوٰۃ ۔ از شاہ ملک (ص ۸۸) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۰۷ھ

پنچھی باچہ از وجدی (ص ۱۰۳) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۲۰ھ ۔ چار مطبوعہ ۔ مدراس سنہ ۱۲۶۲ھ و سنہ ۱۳۱۴ھ بمبئی سنہ ۱۲۸۰ھ و سنہ ۱۳۱۹ھ

پھول بن از ابن نشاطی (ص ۶۹) دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۰۷ھ موجود کتب خانہ آصفیہ مکتوبہ سنہ ۱۲۵۰ھ مملوکہ مؤلف

تحفۂ عاشقاں ۔ از وجدی (ص ۱۰۲) ایک نسخہ قلمی ۔ مملوکہ مولوی ظفر یاب خان صاحب ۔

تحفۃ العاشقین ۔ از سید میران حسینی (ص ۶۶) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۷۴ھ مملوکہ مؤلف

تحفۃ النصائح ۔ از ملا قطبی (ص ۶۲) دو نسخے قلمی ۔ مکتوبہ سنہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مولف ۔ مکتوبہ سنہ ۱۲۶۰ھ مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

تنبیہ نامہ از ولی بیجاپوری (ص ۵۰) ایک نسخہ قلمی ۔ مملوکہ مولف ۔

جواہر الاسرار اللہ از سید شاہ علی حسینی گانوں دہنی (ص ۴۲) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۴۰ھ

خوب ترنگ معہ امواج خوبی ۔ از شیخ خوب محمد چشتی (ص ۴۹) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۲۲ھ

خاور نامہ از رستمی (ص ۸۳) ایک نسخہ قلمی مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات ۔

دیوان سراج ۔ (ص ۱۱۱) دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۶۴ھ و سنہ ۱۲۸۹ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۔

دیوان ولی (ص ۱۰۷) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۹۹ھ مملوکہ مولف ۔ تین نسخے مطبوعہ ۔ پیرس سنہ ۱۸۳۴ع لکھنؤ سنہ ۱۸۷۸ع انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۷ع

دیپک پتنگ ۔ از سید محمد عشرتی (ص ۹۰) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر ۔

رسالہ قربیہ ۔ از امین الدین اعلیٰ (۱۰۸۰ھ) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر۔ مملوکہ مولف۔

رسالہ وجودیہ ۔ از قاضی نور دریا (۱۱۹۰ھ) ایک نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ فن تصوف ۶۱۴

روضۃ الشہدا ۔ از ولی دکنی (۱۱۰۰ھ) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۰۸ھ دو نسخے مطبوعہ مبئی ۱۲۹۶ھ و ۱۳۱۳ھ

سب رس ۔ از ملا وجہی (۱۰۴۰ھ) تین نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ ۱۲۲۵ھ (۲) ناقص الآخر موجودہ کتب خانہ آصفیہ فن تصوف ۱۹۵ و ۶۳۲ (۳) مکتوبہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مولف

شرح التمہیدات ۔ از سید میراں جی خدانما (۱۱۰۰ھ) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر۔ مولف نے اسے بمقام ویلور کتب خانہ واقع مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے۔

شمائل الاتقیا ۔ از میراں یعقوب (۱۱۰۰ھ) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۶۳ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ فن تصوف ۶۶۳

طوطی نامہ ۔ از ملا غواصی (۱۰۶۵ھ) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۴ھ مملوکہ مولف

عشق نامہ ۔ از عبد المومن (۱۰۹۰ھ) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۳۰ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ انو کھمری ۲۵۰

علی نامہ ۔ از ملا نصرتی (۱۰۸۵ھ) ایک نسخہ قلمی بلا تاریخ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات

قصہ بہرام و حسن بانو ۔ از امین دولت (۱۰۴۸ھ) ایک نسخہ مطبوعہ مبئی ۱۳۰۰ھ

قصہ بہرام و گل اندام ۔ از طبعی (۱۰۸۰ھ) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۲ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم

قصہ چندر بدن ۔ از مقیمی (۱۰۴۰ھ) ایک نسخہ مطبوعہ مبئی ۱۳۰۰ھ

قصہ رتن پدم ۔ از ولی دکنی (۱۱۰۰ھ) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مولف نے اسے بمقام ویلور مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے۔

قصہ رضوان شاہ ۔ از فائز (۱۰۶۰ھ) ایک نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ قصص ۱۲۱

قصہ سیف الملوک ۔ از ملا غواصی (۱۰۴۰ھ) ایک نسخہ مطبوعہ مبئی ۱۲۹۰ھ دو نسخے قلمی مکتوبہ ۱۱۹۲ھ مملوکہ مولف، مکتوبہ ۱۲۰۲ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات۔

قصۂ ملکۂ مصر از عاجز دکنی (ص۹۵) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۰ھ

گلدستۂ عشق از صنعتی (ص۱۰۵) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۲۶ھ

گلشن احسان - از سید علی احسان (ص۹۹) ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

گلشن عشق - از ملا نصرتی (ص۶۶) تین نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۶۴ھ موجودہ کتب خانۂ آصفیہ مثنویات ۲۹۹ (۲) مکتوبہ سنہ ۱۲۶۲ھ مملوکہ مصنف (۳) ناقص الاول و آخر مملوکہ مصنف۔

گنج عرفان از میران جی شمس العشاق (ص۸۱) ایک نسخہ مطبوعہ شاہ نور سنہ ۱۲۸۱ھ

مخزن عشق - از وجدی (ص۱۰۳) ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات

معراج العاشقین از خواجہ سید محمد گیسو دراز حسینی (ص۱۱۵) ایک نسخہ مطبوعہ حیدرآباد سنہ ۱۹۲۵ء

معرفۃ السلوک از شاہ ولی اللہ حیدرآبادی (ص۱۱۹) دو نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۹۵ھ (۲) بلا تاریخ موجودہ کتب خانۂ آصفیہ تصوف ۲۴۸ ع ۶۸۰

من لگن از محمود بحری (ص۹۰) چار نسخے مطبوعہ مدراس سنہ ۱۲۷۹ھ و سنہ ۱۳۰۶ھ بنگلور سنہ ۱۳۱۰ھ و سنہ ۱۳۲۵ھ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۳۴ھ معہ ارت من لگن مملوکہ مؤلف۔

نیہ درپن از سید احمد ہنر (ص۹۹) ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

ہدایت ہندی از ضعیفی (ص۹۶) ایک نسخہ مطبوعہ مدراس سنہ ۱۲۸۶ھ

یوسف زلیخا از امین گجراتی (ص۸۵) ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ

یوسف زلیخا از ہاشمی (ص۹۰) دو نسخے قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۰۷ھ مملوکہ مؤلف (۲) موجودہ کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ مدراس۔

انڈکس

مُلحقات

اردوئے قدیم

دورِ قدیم کے مشاہیر شعرا اور مصنّفین

کی

زبان اور کلام کے نمونے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اوراق مابعد میں قدمائے مصنفین کا جو نمونہ کلام جمع ہے اُسے ادوار وازمنہ کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ زبان کے تغیرات اور عہد بہ عہد کی ترقیاں سلسلہ دار نمایاں ہو سکیں۔ اگر ناظرین ان نمونوں کو جغرافیائی تقسیم اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے مطالعہ کرنا چاہیں تو اسکے لئے کتاب کے ابواب و فصول کے ساتھ اُنکی مطابقت کر لینا چاہیئے۔

نمونوں کے انتخاب میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ کسی ایک مقام سے مسلسل ابیات یا عبارتیں نقل کر لی گئی ہیں۔ تاکہ لسانیاتی نقطہ نظر سے زبان کی حقیقی کیفیت ظاہر ہو سکے۔ اُس زمانہ میں مضامین کی بندش، خیالات کی بلندی اور شاعرانہ جذبات بالکل فارسی شاعری کے تابع نظر آتے ہیں۔ ان چیزوں کے دکھانے کے لئے چیدہ چیدہ ابیات کے انتخاب کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن ایسا کیا جاتا تو زبان کے اصلی خد و خال پر پردہ پڑ جاتا اور یہ نمونے شعر و سخن کی بیاض بن جاتے۔ تاہم سلطان محمد قلی قطب شاہ۔ ملا غواصی۔ ملا نصرتی۔ میاں ہاشمی۔ عشرتی وغیرہ شعرا کے نمونوں سے اس عہد کی شاعری اور شعرا کے زور کلام کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان نمونوں میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ قدیم ترکیبیں اور متروک جملے ناظرین کو کثرت کے ساتھ نظر آئیں گے جن کی وجہ سے زمانہ حال میں انکا سمجھنا اور اُن کے مطالب سے بہرہ ور ہونا دشوار ہو گیا ہے۔ لیکن دکنی زبان کے قدیم املا اور بعض صرفی و نحوی خصوصیات نے

واقف ہونے کے بعد یہ مشکل آسانی کے ساتھ حل ہوجاتی ہے۔ اِسلئے ہم ذیل میں پہلے ان امور کی نسبت چند خاص خاص باتیں بیان کرتے ہیں۔ اسکے بعد بعض مشکل اور مغلق الفاظ کے معنی بھی لکھ دیتے ہیں۔ اِس بارے میں ہارس کی قدیم دکنی ڈکشنری (۱۸۱۶ء) اور ملا محمد مہدی واصف کی ہندی لغات (۱۲۴۴ھ) من لگن اور دکنی انوار سہیلی کے فرہنگوں سے ہمیں بہت بڑی مدد ملی ہے۔

ا۔ دکنی تصنیفات میں عربی فارسی الفاظ کا املا مروجہ قاعدہ کے خلاف نظر آتا ہے اور اہل دکن نے ہندی اصوات کے لحاظ سے ان کا تلفظ تحریر کیا ہے۔

مثلاً مروجہ املا		دکنی املا	
مثلاً مروجہ املا	تسبیح	دکنی املا	تسبی
"	دعویٰ	"	داوا
"	خوشی	"	خُشی
"	صُبح	"	صُبا
"	صحیح	"	صحی
"	نفع	"	نفا
"	وضع		وضا

اسیطرح اکثر ہندی الفاظ کا املا بھی اِن کتابوں میں اختلاف کے ساتھ نظر آتا ہے مثلاً

تجھ ۔ تجھے ۔ تجھ کو	تج ۔ تجے ۔ تجکوں
مجھ ۔ مجھے ۔ مجھ کو	منج ۔ منجے ۔ منجکوں
ساتھ	سات
ہاتھ	ہات
کچھ	کچ

سُکھ	سُک
مُکھ	مُک

۲ - دکنی بُولنے والے عام طور پر اسم کے آخر میں الف نون زیادہ کر کے جمع بناتے ہیں - مثلاً

آنکھ	سے	انکھیاں
انجو	سے	انجواں
جنس	سے	جنساں
نعمت	سے	نعمتاں
نین	سے	نیناں
میوہ	سے	میواں

۳ - دکنی میں عام طور پر ماضی کے آخر میں الف سے پہلے (ی) اضافہ کیجاتی ہے مثلاً

کہا	کہیا
دیکھا	دیکھیا
رکھا	رکھیا
پکڑا	پکڑیا
لکھا	لکھیا

۴ - عطف کا (اور) دکنی میں ہمیشہ (ہور) لکھا جاتا ہے۔

۵ - دکنی میں حرف (ج) کو اخیر میں زیادہ کرنے سے حصر اور تخصیص کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں - مثلاً

اکیلا	سے	اکیلاج	یعنی	اکیلا ہی
ایتا	سے	ایتاچ	"	اتنا ہی

تیرا	سے	تیراچ	یعنی	تیرا ہی
اپنا	سے	اپناچ	یعنی	اپنا ہی
ایک	سے	ایکچ	یعنی	ایک ہی
تون	سے	تونچ	یعنی	تو ہی
وان	سے	وانچ	یعنی	وہاں ہی

کبھی کبھی (چ) سے پہلے (ہی) بھی اضافہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً

اکیلا ہیچ ۔ ایتا ہیچ ۔ اپنا ہیچ وغیرہ

۶۔ دکنی زبان میں حروف جارہ استفہام اور ضمائر وغیرہ کی حسب ذیل شکلیں ہوا کرتی ہیں۔

یہ	یہ ۔ یو
وہ	وو ۔ اون
سے	تے ۔ سون ۔ سین ۔ سیتی ۔ ستین
تک	لگ ۔ تگ۔
کا	کیرا۔
کے	کہ
کی	کیری۔
نہیں	نین ۔ نکو ۔ نھیں۔
ہے	اہے ۔ اچھے۔
ہو	اچھو
ہوں	اچھوں۔
میں	ماں ۔ موں۔

وہاں	واں
یہاں	یاں
وہیں	ویں۔
یہیں	یئیں
میں	منے ۔ منیں
ہم	ہمن
ہمکو	ہمنا
تو	توں
تم	تمن
تمکو	تمنکوں
آپ	آپن ۔ آپین
اپنا	اپس کا
اوس	اون ۔ تس ۔
اُس نے	اُسنے ۔ تِسنے
انھوں	اُنوں
آگے	اگل ۔ اگن ۔ آگو انگیں
اندر	بھیتر ۔ بِھتر
باہر	بہار
نیچے	تل
اوپر	اُپر ۔ بالا۔
پاس	کن ۔ کنے ۔
بہت	بہوت

کبھی	کدھی ۔ کدھیں ۔ کبھیں ۔
جو	جے
جو کوئی	جکوئی
جو کچھ	جکچھ
اتنا	اِتا ۔ ایتا ۔
کِتنا	کیتا ۔

۷ ۔ بعض قدیم مصادر اور اُنکے مشتقات جو مدت ہوئی کہ متروک ہوگئے ہیں ۔

اَچھنا ۔ ہونا ۔ رہنا اچھے ۔ ہوے ۔ رہے ۔

اپڑنا ۔ پکڑنا

اوچانا ۔ اُٹھانا ۔ بلند کرنا ۔ اوچا ۔ بلند ۔

دِسنا ۔ دیکھنا ۔ دسنا ۔ دکھائی دینا ۔ دِسے ۔ دکھائے دے ۔

سِٹنا ۔ ڈالنا ۔ پھینکنا ۔ سٹ ۔ ڈال پھینک ۔ سِٹیا ۔ ڈالا ۔ پھینکا ۔

کاڑنا ۔ نکالنا ۔

کنا ۔ کہنا ۔ کتا ۔ کہتا ۔ کتے ۔ کہتے ۔

۸ ۔ قدیم قاعدے کے موافق مصدر کا الف گرا کر (ہار) اضافہ کرنیسے اسم فاعل بنتا ہے مثلاً

اچھنا	سے	اَچھنہار
سٹنا	سے	سٹنہار
دسنا	سے	دسنہار
کاڑنا	سے	کاڑنہار

۹ ۔ چند قدیم دکنی الفاظ کے معنی جو نمونوں میں آئے ہیں ۔

آدھار فہم و فکر آرسی آئینہ

اُپرال اوپر۔ بالا
اَچپل شوخ۔ خوش طبع
اَرت معنی
انبر لباس۔ پوشاک۔
انجو آنسو
باٹ راستہ
باؤلا دیوانہ
بَن بالفتح باغ
بھنور زنبور
پات۔ پت۔ برگ۔ پتّا
پربت پہاڑ
پنکھ پرندہ
پون ہوا۔
ترت فی الفور
تھل۔ زمین۔ جگہ
ٹھار مکان و مسکن
جگ۔ جگت۔ زمانہ
جَل پانی
جھنجھ تشویش
چندر چاند
چنگی چنگاری

اَیروپ ہمیشل
اَوک۔ بہت، زیادہ
اڑکا۔ پیسہ
انت نہایت
انگار آگ۔ آتش۔
باج بغیر۔ سوا
بچن بات۔ سخن
بِن بالکسر بغیر
بَہیں۔ بھوئیں۔ زمین
پتواس۔ پتے
پنڈ۔ جسم، بدن
پوران۔ قصہ داستان
ترلوک۔ کائنات۔ موجودات عالم
تلاو تالاب
ٹھاؤں، جگہ، مقام
جگل۔ جنگل
جوت۔ نور۔
جیو۔ جی۔ دل۔ روح۔
چندر گل۔ گل چاندنی

درپن آئینہ
دھنی مالک ۔ تونگر
رت رُت ۔ موسم
روپ شکل صورت
رین رات
زرینا زیور
سار مانند
سری برابر
سکن خوبی شگون
سمدور سمندر
سنپورن ماہ کامل
سیس سر
سیوک خادم ۔ خدمتگار
شاہ مارگ شاہراہ
عارس ۔ عاروس ۔ دلہن
فرنگ سیدھی تلوار
کال دشمن
کھورا مغاک ۔ گڈھا
گگن آسمان
گنبھیر عمیق ۔ مردم سنجیدہ
گھن بالکسر نفرت، کراہت

ڈھنگ خیال، روشن
دیا دیوا ۔ چراغ
رسن زبان
روپا چاندی
سرگ عالم بالا ۔ فردوس
سگل ہمہ ۔ سب
سکی سہیلی
سنسار دُنیا ۔ جہان
سہس ہزار
سیوا پرستش عبادت
کٹک فوج
گل سور سورج مکھی
گھن بالفتح ابر ۔ سحاب
گھنیرا ۔ بہت

لاگ	مہر و محبّت، بغض و کینہ		
مارگ	راستہ	مد	شراب
مُکھ	مُنھ	مہکار	خوشبو
میا	محبت		
نار	عورت	نچھّل	پاک و صاف
نچنت	بےفکر	نرمل	خالص بے عیب
نس	رات	نمن	نمونہ مانند
نون	خوبصورت حسین	نین	آنکھ
نیر	پانی		

نمونہ کلام کی تقسیم ادوار و ازمنہ کے لحاظ سے

۸۲۵ھ تا ۹۹۹ھ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز (۸۲۵ھ) معراج العاشقین۔ حضرت میراں جی شمس العشاق (۹۰۲ھ) شہادۃ التحقیق
سیداہ علی گام دھنی (۹۷۳ھ) جواہر اسرار اللہ　　امین کمال　　بہرام و حسن بانو

۱۰۰۰ھ تا ۱۰۴۹ھ

سلطان محمد قلی قطب شاہ	کلیات	ملا احمد	لیلیٰ مجنوں
ملا وجہی	سب رس (۱۰۴۵ھ)	میراں حسینی	تحفۃ العاشقین ۱۰۴۵ھ
ملا قطبی	تحفۃ النصائح (۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی	طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ)

۱۰۵۰ھ تا ۱۰۹۹ھ

دولت	بہرام و حسن بانو (۱۰۵۰ھ)	نصرتی	گلشن عشق (۱۰۶۸ھ)
ابن نشاطی	پھول بن (۱۰۶۶ھ)	شیخ امین الدین اعلیٰ	رسالہ قربیہ (۱۰۸۶ھ)
میراں یعقوب	شمائل الاتقیا (۱۰۹۰ھ)	فائز	قصۂ رضوان شاہ (۱۰۹۴ھ)
مقیمی	قصہ ملکہ مصر ۱۰۹۸ھ	ہاشمی	یوسف زلیخا (۱۰۹۹ھ)

۱۱۰۰ھ تا ۱۱۵۹ھ

عاجز	قصہ ملکہ مصر ۱۱۰۰ھ	سید شاہ میر	اسرار التوحید (۱۱۱۰ھ)
عشرتی	دیپک پتنگ (۱۱۰۰ھ)	شاہ ولی اللہ	معرفۃ السلوک (۱۱۰۹ھ)
بحری	من لگن (۱۱۱۲ھ)	ولی دکنی	روضۃ الشہدا (۱۱۱۹ھ)
ہنر	نیہ درپن (۱۱۴۴ھ)	وجدی	پنچھی باچھا (۱۱۴۶ھ)
ولی اورنگ آبادی	کلیات	سراج	منتخب دیوان
صنعتی	قصۂ فغفور چین (۱۱۵۹ھ)		

نمونہ کلام کی تقسیم جغرافیائی اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے

(۱) سلاطین بہمنیہ اور شاہان گجرات کے دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مصنف	تصنیف	مصنف	تصنیف
خواجہ بندہ نواز (۸۲۵ھ)	معراج العاشقین	سید شاہ علی گام دہنی (۹۰۳ھ)	جواہر اسرار اللہ
امین گجراتی	قصہ بہرام وحسن بانو		

(۲) قطب شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مصنف	تصنیف	مصنف	تصنیف
سلطان محمد قلی قطب شاہ	کلیات	ملا احمد	لیلے مجنوں
ملا وجہی	سب رس (۱۰۴۴ھ)	میران حسینی	تحفۃ العاشقین (۱۰۴۵ھ)
ملا قطبی	تحفۃ النصائح (۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی	طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ)
ابن نشاطی	پھولبن (۱۰۶۶ھ)	فائز	قصہ رضوان شاہ (۱۰۹۲ھ)

(۳) عادل شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مصنف	تصنیف	مصنف	تصنیف
شمس العشاق میراں جی (۹۰۲ھ)	شہادت التحقیق	ملا نصرتی	گلشن عشق ۱۰۶۸ھ
امین الدین اعلی	رسالہ قربیہ ۱۰۸۰ھ	میران یعقوب	شمایل الاتقیا ۱۰۹۰ھ
میاں ہاشمی	یوسف زلیخا (۱۰۹۹ھ)		

(۴) مغلیہ دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مصنف	تصنیف	مصنف	تصنیف
مقیمی	قصہ ماہیار و چندربدن (۱۰۹۵ھ)	عاجز	قصہ ملکہ مصر (۱۱۰۰ھ)
شاہ میر	اسرار التوحید (۱۱۰۱ھ)	ملا عشرتی	دیپک پتنگ (۱۱۰۷ھ)
شاہ ولی اللہ	معرفۃ السلوک (۱۱۰۹ھ)	بحری	من لگن (۱۱۱۲ھ)
ولی دکنی	روضۃ الشہدا ۱۱۱۹ھ	ہنر	نیہ درپن (۱۱۴۳ھ)
وجدی	پنچھی باچہ (۱۱۴۶ھ)	ولی اورنگ آبادی	کلیات
سراج	منتخب دیوان (۱۱۵۲ھ)		

شمس العشاق میران جی،

از شہادۃ التحقیق

بسم اللہ الرحمٰن — الرحیم توں بسحان
تو دانا اور بینا — توں سب سھے ہے توانا
سب عالم تیرا — رزاق سب ہوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوئی — نہ خالق دو جا ہوئے
جے تیرا ہوے کرم — توٹوٹے سب ہی بھرم
اس کارن تجھ کو دہاون — اور تیرا نام لیون
تجھ نرتا کون جانے — اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار — کس موکھوں کروں اچار
سب حال تجھ پر بہنا — راسکھے تہوں رہنا
جو تیرا امر جانے — اس نہی کون نہ مانے

صفت کروں میں اللہ کیری جے پوری پورن نور
قادر قدرت انگیکاروں نیترے نادور

نا اُس روپ نا اُس دیکھ نا اُس ٹھان مکان
نوگنا گنونتا کروا کس مکھ کروں بکھان

لاشریک بے عدد واحد جہت جز دن بھی پاکھ
اچھے سکت سیوک کیتے عالم چندیں لاکھ

(رسالہ اردو جلد ہفتم)

سیدہ شاہ علی حسینی

از کتاب جواہر الاسرار الّٰلہ

آپہیں کھیلوں آپ کھلاؤں
آپہیں آپس سے کل لاؤں

میرا ناوں منجھے ات بھاوے
میرا جی منجھے پر چاوے
میری نیہ منجھے سوں ماوے
رہری اپنیں روپ لبھاوے

کہیں سو مجنوں ہو برلاوے
کہیں سو لیلی ہوے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے
کہیں سو شیریں ہو کر آوے

اپنن ایسی بوجھی سارد
بوجھی تھی ان بوجھیا وارد

سرک اچھر ہور مندر ماری
ہرجے اس منہ ندیان باری
مانک موتی سکہ سنکارا
لے سب بھیس پیا کا ساری

کبھیں سو ہوے اندھیاری راتا
سانجھ بتی کرلاوے دھاتا
ہو کر دیوا راتیں ساری
لاکر جوت دکھاوے بھاری

مکھ پر بال بکھیر سو ساتھی
چھپ کر ہوے رات سنگھاتی
دلی سنبھال سو بکھرے کیسا
دن ہوا دے سورج بھیسا

(رسالہ اردو جلد ہفتم)

امین

معاصر سلطان بہادر شاہ گجراتی

از داستان بہرام وحسن بانو

قصہ کون جو واقف ہو پاوے خبر | خدا کی خدائی میں تھا یک شہر
اسے شہر فارس رکھا نام تھا | وہاں بادشاہ نام بہرام تھا
اسم شاہ بہرام کا تھا اصل | اُسے گور کے صید کا تھا شغل
لقب تب ہوا شاہ بہرام گور | نہ تھا کوئی جہان میں مثل اسکے اور
اتھا خوب صورت بہت بمثیال | نزاکت شباہت میں صاحب جمال
وہ تھا مرد عادل بڑا ذی قیاس | غریبوں کی ملجائے تھا وہ حبپاس
وہ یک روز بیٹھا تھا شہ نام دار | نجومی بولائے اسی وقت چار
کہو اے نجومی میرے راز کو | بدی اور نیکی جو میری کہو
کہیا یک نجومی نے اے کامگار | تیرے ملک کی حد ہے قایم چہار
کدھی تم سدھارو برائے شکار | یہ تینوں طرف کو تو ہو کر سوار
نہ چوتھے طرف کو سدھارو بھلا | جو جاؤگے واں تم تو ہے یہ خطا
کہا شہ نے اس کا سبب دے بتا | کہ چوتھے طرف کا بتاوے پتا
نجومی نے دل میں کیا تب فکر | کہوں سب یہ احوال میں کھول کر
معما کہا ہے وہ سمجھائے گر | وہ نزدیک شہ کے کھڑا آن کر
سنو میں ہوں کہتا بیاں بے عدول | مبادا ادھر ہووے خاطر ملول
کہا شاہ سن خوب کی تم نے بات | ولیکن ہے تقدیر سو رب کے ہات
نجومی کو شہ نے کیا تب رضا | فکر دل میں کرتا رہا اس دِسنا

کہ قسمت کا اپنے تو دیکھو مزا
ہوویگا وہی پیچ کرے جو خدا
نجومی تو گھر کو گیا ہے چلا
جو کہنا و سننا برا یا بھلا
ولیکن جو حق کو تھا کرنا ضرور
ہوئے بن نہ ملتا ہے، ہونا ضرور
وہ چھوڑے نہ ہرگز جو تیر قضا
وہ ہوتا ہے جس میں ہے حق کی رضا
ہوا اسکا شہ کے ہے دلمیں خیال
ہوا او سو سر شر کو از حد کمال

سلطان محمد قلی قطب شاہ

از کلیات ۔مرتبۂ سلطان محمد قطب شاہ

پلا ساقیا تج کوں مستانہ مے
کیا ہے بہوت گرم جنگ ہورنے
جگج عشق کوچے میں ہے سلطنت
نہیں دیکھیا ہے کدہیں اسکو کئے
سدا پھولبن اور آمد ہے منجے
نہیں ہے خماری کہیں ہور دے
سپنورن ہے تج جوت سوں سب جگت
نہیں خالی ہے نور ہے کوئی شے

گر جا ہے میگہ سر تھے تازہ ہوا ہے بستاں
پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار دستاں،
اے خوش خبر صباتوں نے جا جوان قداں کن
چمناں کی آرزو میں نیٹھے ہیں مے پرستاں،
او نو نہال پھولاں ہے جام خوے سو بادہ
نرگس ایس پلک سوں جھاڑو کری شبستاں،
مکھ نور پر دسے یوں رج خط عنبریں اد
جو سور او پر رہے بادل ریحاں سو گلستاں
بیہوش منے کے دل کوں مٹھے ادھر جلائے
گلزار ہے عجب او دو لعل شکرستاں
مج عشق کے گداکوں اور نگ شاہی دینا
سب عاشقاں منج انکھیں ہیں طفل جوں دبستاں
روزی ہوا قطب شہ تج عشق کا پیالا
بھرلے ہیں ہر طرف تیں جم شو بیکے خمستاں

رکھ ایک ہے ہر ٹیک کد ہن لاکھ چمن ہے
لکھ جوت ہے ہر ٹھار دلے ٹیک تن ہے

سمدر رہی یک ہور ندیاں ہیں سو ہزاراں
باتاں سو کروڑاں ہیں دلے ٹیک رسن ہے

کس ٹھار میں دستا نہیں سب ٹھار ہے بھر پور
دیکھن کو سکت کاں اُسے ہر ٹیک نین ہے

منج عشق گری آگ کا یک چنگی ہے سو لچ
اُس آگ کے شعلہ کا دھواں سات گگن ہے

اسکے سو برت پنت میں چل سیتی سوں قطبا
تج کون سو مددگار حسین ہور حسن ہے

راز تس کا تم ستیں کہنا ہوس
تیری بات انکار کا سننا ہوس

بے کلی کلیاں بھری باغاں منے
رس کی کلیاں بلغ تج چننا ہوس

بزم تیرا دستا ہے رنگیں بہشت
یک دو باتاں پیالہ سوں کہنا ہوس

کونلی ڈالی کون لگے پھل رنگ رنگ
اُس پُھلاں ستیے طرہ گندنا ہوس

سب بہشتی حور اس باساں جیو میں
روح کوں اس باس ہی سنگنا ہوس

سور نمن پیالہ میں، ساقی شراب پور کر،
موغم دیر سالہ کون، یکدو قدح سوں دُور کر

میرے خیال کھیل پر، ہنستے ہیں عاقلاں سدا
جانو نہ جانو کھیل یچ کھیل پیا کے سُور کر

باد سحر کیتا کرے، بے ہودہ اے دوا دری
یکدو خبر خوشی کے لیا۔ مو دل و جاں سرور کر

آج شہ چین چلیا، شرق نگر تھے شتاب
ڈھال فلک کی اُچا، او شہ عالی جناب

باندھ خنجر کرن کی، زرّیں فرنگ ہاتھ لے
صبح کے وقت آ ٹیا۔ پیک دو پیالے شراب

چڑک فلک فیل مست ہستی سوں مکھ لال کر
گرم ہو چلنے لگیا۔ دن لے کتک بے حساب

ذرے ہو فراش سب، چلنے شہ چین آگے
دیتے سرا پچے شفق، لالُسے زرّیں نقاب

قوس و قزح ہاتھ لے جوڑ کے تیر استوا
سور تپش جو کیا، تس کہ اُڑانے غراب

سو ہے غلط یوں نہیں، ہے قضا یوں توں سُن ۔۔۔ فتح و ظفر چند کا، چرخ دیا اُس جواب
شاہ ختن سن چلیا، غرب نگر تھے لے فوج ۔۔۔ تنکے تناں ریں رنگ، جیسے اہے مشک ناب
کش کر چلیا ہات توس، اُس سے آسمان کی ۔۔۔ سور آتاران کوں تمین۔ جوڑیا ستارے شہاب
اتنے میں دیتا اہے، صلح خدا تن منیں ۔۔۔ ہے تمیں نس دن کی شہ، نا لڑو تم اتنی باب
میں کیا تم دو کوں شاہ، یک سرج ہو ٹیک ماہ ۔۔۔ دھرتی تمیں دو نو جاہ، دونوں کوں سر پر ہے داب
دن کو سُرج نس کو چند، تد بھی کیا ہے دہاب ۔۔۔ چاند کوں کنیا مجے، سور کوں کینا ذہاب

مُلا احمد

معاصر سلطان محمد قلی قطب شاہ

مثنوی لیلیٰ مجنوںؔ

جو منج بخت کوں فتح یاور ہوا ۔۔۔ سو منج بخت کو سیوک اب ہوا
جو شہ آپ تھے آپ منج یاد کر ۔۔۔ منجے غم کی بندگی تھے آزاد کر
دیتے امر علی کی یہ باغ لاوں ۔۔۔ جو پالوں اسے شہ امریت نانوں
جو میں شہ کا امر سر پر لیتا ۔۔۔ ترت باغ لانے شتابی کتیا
بہوت یک پریشانی روزگار ۔۔۔ اگرچہ منجے ہے ملامت سو بار
بہوت یک شغلاں ستلیں رات دن ۔۔۔ نہ تھی منج فرصت بھلا ایک بن
ملے آس دھر شہ کے فرمان پر ۔۔۔ لگیا تن سنگارن بہو قصہ دھر
دھریں عشق کی باس اس بن کے پھول ۔۔۔ جو اس باس پر جوں بھنور جگ کے بھول
سو کج عشق کوں اب جگت میں جگاؤں ۔۔۔ جو گھر گھر تے لیلیٰ و مجنوں اد جاؤں

جو لیلی و مجنوں تھے بولوں پوران
سو تازہ کروں اب انو کا پوران

جو اس بن چمن پر تھے گزرے پون
پون باس تھے باس لے سرک بن

جو اس باغ پر شہ کا داغ ہے
سو باغوں میں یہ باغ شہ باغ ہے

دہنی باغ کا شہ؛ میں باغ باں
بھنور باغ کا کیوں نہوے آسماں

جو اس باغ مہکار تھے جگ بھرے
سو سرمست کر قدسیاں کو دھرے

سو کچ شہ کوں یہ بن مبارک رہو
جو اس بن تھے ہر روز نوروز ہو

شہنشہ کے ارکان دولت جے کوئی
مبارک انوں پر بھی یہ باغ ہوئی

جو کوئی باغ کی باغبانی کرے
سو اس باغ تھے شادمانی کرے

دہنی باغ کا باغباں کو نواز
بہو مرحمت سوں کرے سرفراز

جو احمد کرے آس دہر بن سنگار
سو اب شہ تھے پائے تیں سنگار

یہ نمونہ پروفیسر محمود شیرانی کے مضمون لیلے مجنوں احمد دکنی سے ماخوذ ہے۔ جو اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۲۵ء میں شایع ہوا ہے۔

میران حسینی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ

از تحفۃ العاشقین تصنیف ۱۰۴۵ھ

خدا نام کرتا ہوں میں ابتدا
کہ قدرت سے اُسکے ہوئے دوسرا

کروں ناز اسی قدرتِ پاک پر
شرف دی سیہ خاک کوں سربسر

بہت مہوشاں اُس نے پیدا کیا
خطاں دلپسند رنگ زیبا دیا

ہر یک صورت گل کوں دی رنگ و بو
ہر اک کوں دی اخلاق پاکیزہ خو

کیا اک کوں لالہ کے مانند سوں
لیا داغ لالہ نے تب رشک سوں

***

وہ ہے شاہ جن و پری کا تمام
اسی کا ہے سلطان عبداللہ نام

سلیماں صفت شاہ بحر و بری
جہاں دائماً زیر انگشتری

وہ ہے شاہ شاہاں مبارک جناب
دل شرزہ ہو خوں فشاں مثل آب

وہ زیب جہاں ہر کہ جوں آفتاب
جہاں جسکے بخشش سوں ہر کامیاب

***

سنو اب حقیقت میری دردناک
کروں میں بیاں تم سے با شرح پاک

میرا باپ تھا ایک بڑا نام دار
کہ اسباب دنیا سے تھا کامگار

جیئے تک میرا باپ مجھ سر اوپر
خوشی ساتھ گذری تمامی عمر

توی تن بہت زور ور تھا ادنے
نہ تھا اس کے مانند دنیا منے

بڑا تھا وزیر یک نزدیک شاہ
سپہ دار دارا سے تخت و کلاہ

کہ ہر روز و شب تا بیگاہی نشست
یہی کام تھا اس کوں پابوس تخت

کہ تھے سات فرزند ہم اسکے تئیں
کہ سب سوں زیادہ تھا دلبند میں

کہ اس سن میں تھا ایک برادر میرا
دل و جاں بہت نازپرور میرا

ملے سیرتوں میں تھا نیکو سیر
طبیعت فرشتہ تھا صورت بشر

اُنے بھی کیا جام اجل نوش کر
یہ دنیائے دوں کو فراموش کر

کہ سنگ فنا سات شیشے کو توڑ
چلا سٹ ہستی دل عقبیٰ سوں جوڑ

تب اس درد غم سوں قبولا سفر
وداع وطن کوں میں کیا ہر شہر

کہ گلشن میں دنیا کے گذرے عمر
نہ پل سکے جوں آب جاوے گذر

کہ سلطاں محمد قلی شیر دل — کہ شاہاں سے لیتا ہے شمشیر دل

کہ داد و دہش میں تھا او بے نظیر — نہیں اسکے ثانی ہوا کوئی پھیر

کہ بخشش میں ہو جوں سحاب کرم — کہ باراں سا سائل پہ چھٹکیا درم

اُسے پچھ عمارات سے لاگ تھا — سونا روپا اسکے انکو خاک تھا

ہر ایک ہفتہ میں کئی عمارات زر — توڑ ہادی بندھادی عمارت دگر

ہزاراں سے لاکے دگر صد ہزار — کرے خرچ ایسا ہی وہ نامدار

حکم پاکو اُس شہ کا معمار ماں — بندے کاخ یک کوہ الوند نشاں

کہ دوراں عجب دور لایا وہاں — ہوئے تب وہ بیمار شاہ جہاں

نہ قوت رہا بیٹھ اُٹھنے کا اُس — نہ ہرگز قدم پیش رکھنے کا اُس

نہ ہلنے کا قوت نہ چلنا اُسے — سدا اس الم بیچ گھلنا اُسے

کہا تب بلا سات فرزند کوں — کہ اب محل میں چل منجے لیکے توں

زمیں بوس کر عجز و الحاح کیساتھ — گیا وہ لے شاہ ساتھ شہ اسکے ساتھ

دیویں حکم گر شاہ یکتا منجے — چلوں لے یہاں سوں نجاراں تجھے

یہ سن ہنس کے شہ بات اس ساتھ یوں — لگا کہنے فرزند دلبند یوں

زمیں آسماں کوں ہے جب تک قرار — پھرے چرخ تا حشر لیل و نہار

ترے دل کے گلشن کو پروردگار — سحاب کرم سنوں رکھے پر بہار

کہ او محل نو جو ہوا تھا تیار — کہ خوبی میں جوں قصر فغفور سار

بس القصہ شہ کو لیجا گھر منے — کہ کرسی زر پر بیٹھا یل کنے

کہ جب محل نو میں گیا بادشاہ — زر و مال باٹا قبائے کلاہ

کہ مشہور تھا وہ اوپر خاص و عام — کہ مالک وہی ہے یہ پچھانے کلام

تحفۃ العاشقین کا مخطوطہ ہمارے یہاں موجود ہے۔ اور اسی سے یہ نمونہ کلام نقل کیا گیا ہے۔

مُلا قطبی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ

از تحفۃ النصائح تصنیف ۱۰۴۵ھ

باب سی و پنجم

جس وقت توں چنداں نوں ۱ دیکھے جو توں اپنی نظر
بسم اللہ سوں پڑھ تیس بار الحمد توں ناغہ نہ کر
تاریخ پہلی کوں پڑے ۲ [اِنّا فتحنا] یا دُسوں
ناآئے بلا تج پاس کد ہور پائے جنّت ہر کدہر
دیکھے محرّم کوں سُنا (سونا) ۳ ہور دیکھ صفر میں آرسی
اوّل ربیع آبِ روان آخر کوں بکرا لیا نظر
اوّل جمادی ہے رُدیا ۴ ہور ہے بڈھا آخر منے
مصحف رجب کوں دیکھنا شعباں ہریا گھانس تر
رمضاں کوں شمشیر دیکھ ۵ شوّال کو کپڑا ہریا
ذی القعدہ کو بیٹا نھا ذوالحجہ کو بیٹی خوب تر

باب چہل و دوم

جنّت سخیاں کا ٹھاول ہے ۱ اُس وقت تو پاوے محب
تِس کے بدل کاماں کرے ہر دیس یک یک خوب تر
ہیں بہشت کے کاماں بہت ۲ جد ہور گفت کچھ نین اُسے

اُس سب منے نے کون تجے | گن سات اگلے بیس پر
ہور جو تلک جیتا رہے ۳ | اخلاص ہور دل بھاؤ سوں
ہور جو تلک جیتا رہے | ثابت رہنا تس کے اوپر
مہمان کون بے پیار کر ۴ | ہور کافران سو کر غزا
جوں بھید اپنا کوئی تجے | بولے تو نا کہ کس اوپر
زحمت جو آوے تج اوپر ۵ | کس آدمی سوں کہہ نکو
سارے تیرے دکھ درد سوں | راکھے چھپا دل کے بھیتر
دل جیو کے سینہ کے بھیتر ۶ | مسکیں درویشاں کو رکھ،
تج سوں بُرائی جو کرے | تس ساتھ تو احسان کر

کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ کے نسخے سے یہ نمونہ انتخاب ہوا ہے۔

غواصی

از طوطی نامہ تصنیف سنہ ۱۰۴۹ھ

شب پنجم

کتے ہیں جو یک ٹھار تھے چار یار | یک اس میں بڑائی ایک اُس میں سُنار
یکن درزی ایکن سو زاہد گنبھیر، | اتھے چاروں میں چار فن بے نظیر
سو پردیس جا گشت کرنے لگے | جہاں دل منگے واں اُترنے لگے
سو یک دن ہوا یوں جو وہ چار یار | پڑے ایک جنگل میں جا ایک ٹھار
جو پھر نا سکے باؤ واں ترس تے | اُجڑ ہو پڑیا تھا وہ کئی برس تے
جناور کی دستی نہ تھی ذات واں | کہ دہشت تے ہلتا نہ تھا پات واں
ڈوبیا دن سو ویں واں اندھارا ہوا | یکایک رین آشکارا ہوا

نجا سک اُسی ٹھار پر اور رہے — سو کر فکر آپس میں اپی یوں کہے
کہ یوں ٹھار تو ہے ارک ہولناک — جو سوں گے ہمیں یاں تو ہوں گے ہلاک
بھلا دیں جو نوبت سو بیٹھیں ہشیار — لیویں بانٹ چارو بھی چارو پہار
کریں پاسبانی سو ایکس کی ایک — صبا ہووےگی تو بزاں لیویں دیک
صبح ۱۲

سو کر شرط یوں جاگنے کی بدل — اٹھا آپ سب تے بڑائی اول
نہ نیند آئی تیوں فکر کر ذات میں — لیا کار تیشہ آپن ہات میں
دکھانے بدل اپنی صنعت گری — کیے مغز کی ڈال کاٹ یک ہری
گیا راس پتلی سو اس دہات تے — مگر آئی تھی اوڑ سماوات تے
اگر آذر اس وقت پر ہووتا — تو دیکھ بت تراشی تے دل دھووتا
رہتا دل یو مانی کے بھی داغ ہو — بھلا جو نہ تھا اس زمانے میں اُو
کیت وہ بڑائی ہنرمند خاص — جو پہر اکر اپنا ہوا جیوں خلاص

اٹھاویں سنار اُس پچھے دوسری بار — لگیا دیکھنے کون جو انکھیاں پسار
سو خوش شکل پتلی نظر تل پڑی — سنا کار ڈب میں نے دیس اُس گھڑی
گھڑیا بیس نازک بستیاں عجب — سو چھوڑا اسی ڈوب سینے میں سب
جڑیا حسن پر حسن لڑتے اُسے — لیا نور گھیرا کدھر تے اُسے
جو تھی خوب اول سو ہوئی خوب تر — ہوئی جا او مجبوب محبوب تر

ہوا دا یلا کام تے جوں سُنار — اُٹھیا درزی پھر کا کرن تسری بار
دکھانا گہاں جوں او صورت اُسنے — نہ تھی کسوت او سکوں سو ایسی منے

رنگیں کپڑے بقچے میں تے کاڑ کر سو تقطیع کی شیخ سوں پھاڑ کر
کیا مستعد کسوت بے نظیر سنوارا نزاکت سوں اسکا شریر
سو کسوت میں او نار دسنے لگی، خوش عاروس کی سار دسنے لگی،

ہوا جو کنارے وہ درزی سنوار سو زاہد اُٹھیا آپ جو تھی بچار
وضو کر کو بندگی میں او مشغول ہو یکایک دیکھا ہیتلی مقبول او
سو ریجہ اس اوپر دیں دعا جو کیا وہیں جیو پروردگار اُس دیا
سو موں آدمی کی نمن کھول کر اُٹھی چلبلا ناگہاں بول کر

صبا ہوئی سو چاروں ملے ایک ٹھار ہوے عاشق اس روپ کے ہر چہار
لگیا آکے چاروں کو داوا کبل سو ایسی منے وہ بڑائی اول
کہیا اے عزیزان خوش روزگار اگر دیکھتے ہیں تمھیں حق بچار
تو لو صورت اول تراشا سو میں یو میری ہے دیسوں نہیں کسکے تیں
سن اے بات سُنار موں کر کے لال کہیا یوں کہ اول یو صورت تھی کھال
زر ینا پنھا اس دیا روپ میں دیکھا دیا سو کر اسکوں اپروپ میں
چڑھی جو میری لبت اول اسکے تن یو میری ہے دیکھو نہ کو اُنس کدہن
سن یہ بات درزی اُٹھا کو دکر لگیا بولنے یوں غصہ سوں اگر
کہ بنیاد میں تھی اول یو ننگی شرم ڈھانپ کریں کیا اس جنگی
یو عاروس میری ہے چھینے اُسے انداز انھیں منجہ بغیر از کسے
تعجب میں ہو زاہد اس بات پر اُٹھیا بول تندی سوں اس دہات کر
اگر جیو تن میں نہ آتا اسے نہ آزکے کوں نا کام آتی کسے

تمیں گرچہ تینوں کے تے تین کام ۔ وسلے جیو ڈالا سو میں ہوں تمام
یو میری ہے یاراں تھاری نہیں ۔ چلو جا دیں مل منصفی کوں کہیں
کہیں جب وضا مل بیگانے چہار ۔ چلیں اُس وضا زیاستی دم نہ مار
ہوا اس دہات ضی سنگات اسکوں لے ۔ نکل اس جنگل میں تے نڑتے چلے

سو ناگاہ یک شاہ مارگ منے ۔ ہوا جان یک لشکری سامنے
سو چاروں نہ رکھ سک خیال آپنا ۔ گئے بھول اُس وہیں حال آپنا
جو خاطر منے خوب لایا تمام ۔ وہ عیار مایا سو پایا تمام
دیکھا تل اُوپر خوب اُس نار کوں ۔ دیوانا ہو گھیریا ویں اُس چار کوں
کہیا یو سہیلی تو میری دسے ۔ لیکر آئے ہیں تم دغا دے اُسے
تمھاری ہوں میں اختیاری یو گم ۔ عجب کوئی اوباش ہیں آج تم
میری دسے کو عورت سلامت سوں جاوُ ۔ اگر نیں تو کتوال کن جائیں آؤ
ہو درہم ابس میں ابیں یا نچو تن ۔ بدل نیا دکی آئے کتوال کن

وہ کتوال اول تے تھا عشق باز ۔ دیکھ اُس نار کا روپ ہور چھندو ناز
منڈاسا پھرا پانچوں پر باندین ۔ سولی پر مرے گا اُٹھا ساندوبن
کہ ہے بھائی میرے کی عورت یو نار ۔ سو چور آشباشب اُسے جی سے مار
گئے لے اُسے بست ہو بھاوُ سوں ۔ بڑا فکر تھا آج لگ منج کو یوں
وہ چوران سو تم ہیں خدا ناگہاں ۔ لیکر آئیا کھینچ تمنا یہاں
ڈرا اس وضا خوب پانچو کے تیں ۔ جو قاضی کن آیا یے دنبال دیں
دغا باز سب تے وہ قاضی اتھا ۔ سدا ایسے کاماں سوں راضی اتھا

سو دیکھ اُس پری رُخ کو ہوا اُٹھ کھڑا   ہوا داد بیدار آپ سب تے بڑا
کہا یو تو باندی ہے جیونی میری   وفادار گھر کی سلونی میری
ے طبلی کئی برس تے گئی تھی نہاس   پھر آپی ہو آئی ہے کر گھر کی آس
ملی میری باندی تو ہر حال منج   دلے کان ہے لادیو وو مال منج

جو اس دہات کا شور او چائے تمام   ملے اس تماشے کوں سب خاص عام
سو ایسے میں کوئی شخص عارف نول   کہا یو خصومت تو ہے بے بدل
کہ ہر کوئی جھگڑے تو عالم سنے   نبر نان کہ جاتے ہیں قاضی کنے
آپی مدعی جان تے قاضی ہووے   کہو کیوں نہ انصاف ماضی ہووے
کہ ساتوں بجنے ہیں غرضمند لو   کہ دھرتے ہیں اکیس سوں یک ڈنڈیو
سکت کان ہے کس آدمی زاد کوں   جو ابڑے انوں کی ترت داد کوں
فلانے جو صحرا میں ہے ایک جھاڑ   جو عالم کے جھاڑان میں سب سیں کاڑ
عجب کچ کرامت ہے آج اس کنے   ہے افضل ولی کار واج اُس منے
جو کوئی جس نیت سوں نزدیک اسکے جائے   تو ویساج آواز اس دک تے آئے
اگر مل کے ساتوں وہاں جائیں سگے   تو فارغ ہوا اس جھنجھ تے آدیں سگے
سنے جوں دو اُس جھاڑ کے ناوں کوں   چلے اُس سکی کرنے اُس ٹھاوں کوں
کھڑا کر اُسے جھاڑ کے پیڑ کن   کہے حال جوں موں کہ اُسکے کدہن
سو قدرت تے یک بارگی جھاڑ او   لیا کھینچ اُس دہن کو دو پھاڑ ہو
برابر ہوا ویں پھرا دل کے سار   ہوا حق جو کچ تھا سو واں آشکار

دولت

از داستان بہرام و حسن بانو تصنیف سنہ ۱۰۵ھ

سنا قلزات ایسا دہاں ۔ کہ آتا شاہ پریاں ہے لڑنے یہاں
خبر سن ہنسا گڑگڑا کر پلید ۔ کیا تب اُنے ایک فکر ہے شدید
وہ جلدی سے بولا ہے لشکر کو یوں ۔ شہر سنبر ویران کرو بلیں توں
یہ کہہ کر کیا کوچ جلدی سنگات ۔ کہا شہ پری کو کوئی آکے بات
کہ قلزات آتا ہے تیرے اوپر ۔ وہ لاتا ہے لشکر بڑا تجھ اوپر
خبردار ہو تم خبردار ہو ۔ لڑائی کے ساماں سے تیار ہو
سنی بات بہرام نے بھی سبھی ۔ خبر دیو سردار سے یہ کہی
کہ آتا ہے بدبخت مرتد یہاں ۔ کرو فکر تم بھی اُٹھو اس زماں
ہنسا دیو رویاں سنکر یہ بات ۔ کہا کچھ فکر کر نہ تو نیک ذات
کئے مورچے بند ہر ٹھار ٹھار ۔ سرانجام جنگ کا وے کر کر تیار
خبر جا کیا شاہ بہرام گور ۔ کیا تب گنداول کے لشکر نے زور
فتح کا دمامہ اُٹھا ٹھوک کر ۔ وہ سب فوج لیکر پڑا اُس اوپر
لگی جنگ واں پر ہے شدت سنگات ۔ نہ پائی کسی نے فراری کی باٹ
چھوٹے توپ خانے بہت بیشمار ۔ اُٹھا غل جدھر کا ادھر مار مار
دلاور جو بہرام کے ہیں چھوٹے ۔ فرنگ کیں جو تلواریں لیکر ٹوٹے
کیا ملک زلزال کا پائمال ۔ کیا پکڑ اسکو ہے قیدی بحال
یو شیراں ہیں بہرام کے شیر دل ۔ وہ زلزال کو ہے کیا مضمحل

فتح آسمانی ہے حق نے دیا — وہی شہ کو نصرت ہے غیبی کیا
بجے شادیانے خوشی کے تمام — خوشیوں کے نقارے کیے دھوم دھام
فتح کرکے بیٹھا وہ بہرام شاہ — دیا شاہ پریاں کو رکھ دلمیں چاہ

نصرتی

از گلشن عشق تصنیف ۱۰۶۶ھ

ازل تے جو مج عشق کی سوز ہے — ابد لگ او ک شعلہ زن روز ہے
ہوا ہے میرے طبع کا سب چمن — پرت کی کلاں داٹ کر پھو لبن
اگو جل بھری مج نین ہے بدل — میرا ہر انجھو ہے سورج تے پچھل
دکھا دیں جو مج آہ اس بھید کوں — معمہ کرے جام خورشید کوں
جو ہر بات کا مج بلند اوج ہے — وہ سب عشق کے بحر کا موج ہے
دیویں ہر ورق کا مجے خط سواد — سو جلتے جنگل کا دھواں کر زیاد
دیکھت خوبی عشق میں صادقی — سو کرتا ہوں میں عشق لیو عاشقی
نہ ہوشیار ہو دیں کہ ہیں مست عشق — جنم مست مو کل بھریں ہست عشق
مئے صاف کا عشق ساقی ہے یار — سٹکھارُ د ہو دل تے غم کا غبار
اچھے عشق خلقت کی جگ کا سبب — اچھے عشق گنجینۂ راز رب
بقا کیا جیسے جگ میں شاہی اچھے — اجل جسکے گھر کا سپاہی اچھے
بلند تر ہے افلاک تے جس نشاں — زمیں کا لے تس چتر ہے سایہ باں
نظر مہر کی لیائے جب رنگ میں — کریں لال تب سینہ آ سنگ میں

دِلان کا ہے اے عشق تو بادشاہ — جہاں ڈر سو ہانچ تجہ تخت گاہ

دیوا راہ کا تجہ سو کالا دِسے — اندھارا ج تیرا ج او جالا دِسے

کیا سو خوشی جگ میں مشہو تو چخ — خرابات عالم کیا پور تو چخ

تیرا خار بہتر ہے گلزار تھے — تیرا ڈر ہے دیوانہ ہشیار تھے

توں دانا ہے کیس ناسمج باؤلا — بچلے کِس نظر جہاں تیرا بادلا

سنگاتی دو جگ میں اچھنہار تو چخ — جنم جگ کا یار و فادار تو چخ

ترے ہات سوں خاک ہوتی ہی ور — پَرس توں ہے اکسیر اعظم تھے ور

جو کوئی شمع کا تجہ جو پروانہ ہوئے — اُسے سات دوزخ میں پروانہ ہوئے

تیرے سحر کا چھنڈ ہے دیو بند — دھکے کر بندر ستم پو تیرا کمند

ریا کا نہ آدے رتی فن تجے — برابر دِسے دوست دشمن تجے

نہ کام آئے تج صف منے دوڑیا — برابر ہے زربفت ہور بوریا

تیرے بجر میں عقل کوں انت نین — تیرے بَر اوبر لاج کو بنت نین

کرے تو یچ بت خانہ دل کے نین — بناتا ہے عابد کون توں برہمن

دہرے یک نظر میں تولا کھاں فریب — کرشمے سو تو ڑین کر ٹوڑان شکیب

رکھن ہار تج نادن سارا ہوں میں — سراسر تیرا مجلس آرا ہوں میں

کمر دل تیرا چھا جو ٹک یک نبی — توں کہہ پیار سوں آفریں نصرتی

جوانی سوں تھی دھوپ بھر روت میں — سُرج تھا مگر آخری حوت میں

نہ کہہ سو ربل آگ کا بادل اٹھا — نہ او دھوپ یک آتشیں جل اٹھا

کرن ہیں سوا جل کیاں باران دبیں — ہر یک ذرہ قطرات باران دبیں

لگی مارنے جب سراباں کی موج — چلین جو کدہن تب حرارت کی فوج

بھری یوں حرارت ہر یک تن منجھار / نہ ست بے سما سک اُبل آئے بہار

پڑی تھی نہ کیں چھاؤں ہر تن تے ڈھل / او نکلے سو ست سے بہتی تھے اگل

نہ تھیں پر تپش دن کوں دایم اَتھی / قیامت فلک پر بھی قائم اتھی

برستی تھی یوں دھوپ جگ پر کڑک / سو کوہ ہو زمیں رہے تھے چھاتی تڑک

نکل تس تے جا سب ہریالی کے بال / اتھا بھوئیں کے سر جائیں جائیں کا حال

پڑیا تھا نہ دریا میں موجاں سوں شور / اتھا نیر اُبلتا ہو بھوئیں گرم زور

کری جگ میں گرمی نے یوں سرکشی / اوگی کو نیلی رُکھ کے ہو آتشی

دکھت کوہ ہولی نرالی ہوئی / زمیں دیکھ حیراں دیوالی ہوئی

بھرے لال گھوڑے دس آتے تھے یوں / چولیاں پر اگن دہک دکھاتی ہے جیوں

دکھا دھوپ ادک جگ پہ گرمی سوں تاب / لجاتی اتھی بھوئیں کے سب مکھ تے آب

یقیں آفتاب آفت آب تھا / تو ہر چاہ پر آتش ناب تھا

رہیا کیں نہیں روئے گیتی پو آب / مگر تھی ندیاں سے ہوا پُر سراب

چرندے ادک پیاس تے تس پو تنٹ / چھوتیں دوڑ مرتے اتھے سینہ پھٹ

عجب تیز گرمی جلا سنگ و خاک / کرے سنگ کا چونا، و ماٹی کو راک

اَتھے گرم کنکرے انگاریاں تے تیز / دسے تفت بالو تے چنگیاں کی ریز

پڑے جس ہرے رکھ پہ یو آب نار / چلیں پات ڈالیاں تے جیک آئے بہار

جسے آگ کے لگتی تھی چھالاں کی آنچ / اتھا سخت جانا او نے جیو نے بانچ

نہ سکتے تھے ہرگز پرندے پھٹک / چرندے بھی تس دہک سوں رہی تھی اٹک

پنکھیاں کے تو نت بھیجے پکے جوش سوں / پڑیں جل کے پر گر اوڑیں ہوش ہوں

چرندے بھی صحرا میں کرتے کدن / سو یک گوشت ہوتے تھے تخنی بمن

نظارے میں ہر یک نظر باز کوں
دِسے ہر طرف تیری قدرت کا موں
سبوں کا سمجھ تھک رہا ہے یہاں
کہ یک بُربرے میں بسایا جہاں

نہ سنگھار سوں اودسے دل فریب
کہ پکڑتا ہے سنگھار ان سوں زیب
چندر گل تھے چندر کی چھاتی پو داغ
گل سور تھے سور کا زرد باغ
زہے فیض سوں حق کے اکرام تھا
کہ میواں سوں بن سفرۂ عام تھا

نین بان لاگی ہے کاری منجے
لگے چٹ پٹی رات ساری منجے
تیرے لب بغیر از جو چاکھوں شکر
لگے جیو تلک کرد کاری منجے
بھولیا ہوں جو ہیں کفر اسلام کوں
یہی بس جو لاگی ہے یاری منجے
تیرا فضل ہوئے گا گراے اسکی
توی ہے سو اُمید واری منجے
پیاری او ک پیار ہور لطف سوں
آوہ نصرتی کر پکاری منجے

ابن نشاطی

از مثنوی پھول بن تصنیف ۱۰۶۶ھ

کروں تعریف میں اس ناجور کا
سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی
خدا تے ہے تیرے جم پیش بازی
سعادت کے نین کا نور ہے توں
شجاعت کے لگن کا سور ہے توں
اَہے جمشید کا سب داب تج میں
سکندر کا اَہے آداب تج میں
عدالت آج تیرا اسے سُہانی
کیا ہے دشمناں کے لہو پانی
دیکھے توں پھول ہو کانٹا ہے یک ٹھار
دلے کہتے نہ کوئی پایا ہے آزار

دیکھت تجہ شیر کی نوشیروانی — کریں بکریاں سکے تیں گرگان شبانی
عدالت کی تیرے دیکھ آج ہستی — چھپی خوباں سکے جا نیناں میں مستی
کیایوں رہزناں سوں پاک دکھن — نہیں ہے آج مطرب باج رہزن
کیاتوں عدل ایسا آج جگ پر — پہتر سکے سنگ سوں شیشے کوں نیں ڈر
شجاعت کا دیکھت تج مکہ پو پانی — ستے سب پہلواناں پہلوانی
سُہاتی ہے تجے مسند نشینی — فلاطوں کی ہے تجہ میں دوربینی
مسلسل وصف کے تج سلسلے کوں — ہلاتے نیں سکت مج حوصلے کوں
اگر کاغذ گگن کا ہوسے ڈھورا — صفت تیری نہوسے تو بھی پورا

مجے یک دن دیایوں ہاتف آواز — پرت کے داستاں کی اسے سخن ساز
سخن کا آج توں ہوکر کھن سنج — بچن کا کھولتا نیں کیا سبب گنج
تیری گفتار سوں عالم مٹھا کر — دسے تیرے شعر کا سب کس کوں شکر
خوشی سوں آ خوشی کی بات پر آج — توکاناں کوں جگت سکے عید کر آج
سخن کا طرز تج آتا ہے تازہ — سخن کا سٹ توں عالم میں آوازہ
سخن کوں توں سنگارن جانتا ہے — سخن کوں تیرے ہر کوئی مانتا ہے
خدا تجکوں دیا ہے گیان عالی — سخن کی تج کوں بخشیا لااُبالی
تجے معلوم ہے سارے صنائع — نکو اوقات اپنا کر تو ضائع
ادجاب خوب یک تازہ حکایت — اچھیں سگے عشق کی جس میں روایت
بساتیں جو حکایت فارسی ہے — محبت دیکھنے کی آرسی ہے
تجے ہے فارسی میں دسترس آج — نکرسے ترجمہ بھی کوئی تج باج
اسے ہر کس کے تیں سمجھا کہ توں بول — دکن کی بات سوں سارا بیاں کھول

سراسر جیو کو یو باتاں کیا گوشش — سو مارا شوق کا دریا وہیں جوش
لگا کر طبع کی موتیاں سوں ڈورا — بچن کا جگ منے مارا ڈھنڈورا
طبیعت میں اپس کی دیکھ صافی — کیا ہر بیت میں میں موشگافی
پرت سے باغ کی لی باغ بانی — بساتین کی کیا میں ترجمانی
صفا اوراس کے دیکھ ہر یک چمن میں — رکھیا ہوں ناؤں اس کا پھولبن میں
اتھا تاریخ لایا توں یو گلزار — اگیارہ سو کون کم تھے بیس پر چار
خدا کے پاس منگ ہمت بلندی — نزاکت سوں کیا میں نقش بندی

سمج ہر کس کوں میرا طبع ہونا — گگر میں یک دکھایا ہوں نمونا
نہیں وہ کیا کردں فیروز اُستاد — کہ دیتا شاعری کا کچ میرے داد
رہے صد حیف جو نیں سید محمود — کئے پانی کوں پانی دود کوں دود
نہیں اس وقت پر وہ شیخ احمد — سخن کا دست رکھتے باندیا سو میں سد
حسن شوقی اگر ہوتا جو فی الحال — ہزاراں بھیجتا رحمت منج اُپرال

اَہے تازہ چمن پیوستہ میرا — شگفتہ ہے سدا گلدستہ میرا
دیا ہے جگ کوں رونق اک طرف سے — ہے یو بازار جو دو رستہ میرا
بہت خون جگر کھا کر کھلیا گل — کلی نمنے جو تھا فن بستہ میرا
کرم سوں حق کے پایا آج راحت — فلک سوں تھا جو خاطر خستہ میرا

شیخ امین الدین اعلی

(از رسالہ قربیہ)

اللہ بن نہیں دوجا کوئی — اللہ سوں دیک سب کچھ ہوئی
سب سوں بن، سب ہے دیک باس — مطلق بنیا شاہد خاص
شاہد ہے دیک مطلق پر — مطلق منزہ بالاتر
مطلق منزہ محیط یو — سب کا جاری جس تیں جیو
جیو جوالا سب کا جان — سب سوں بن سب عین عیان
عین ارادہ جس کے ہات — جیو جوالا سب سنگات
جلال جمال دو اسکے تھل — مطلق منزہ بے مثل
مطلق سب پر شاہد ہے — سب سوں مل دیک احد ہے
پڑکو ہارا مشکل بات — بن کر ایک نہ آئے ہات
ٹھاؤں نہیں جس لامکان — سمجھے نایوں اسکوں ٹھان
عین خلاصہ عیاں تمام — عیاں بیاں سوں ہوناقام
مطلق منزہ تھا کیوں آڈ — سمجھا پوری یو بنیاد
احد تجہ میں کیوں آیا — بوجھیا پوری یو مایا
احد جب او مطلق تھا — بن اس مطلق کچھ نا تھا
عشق کا دیک کیوں آیا پور — ہلیا ذات بن کیوں نور
ہلن میں ہے بوج پرکار — جھولے یک لک جو میں ہزار
قدرت اپنی اپنے بل — شریک نا ہوئی کوئی شل
گنج مخفی یو کا ٹھار — دل میں یو کا دیک دیدار

جیونیں پیو کا دیک ٹھاول — دونوں کا ہے ایکیچ ناؤں

دیکھ تیرے نیں میں پتلی کوں — عالماں میں پڑی ہے جنگ وجدل
ٹیک سکتے ہیں مکھ یو کعبہ ہے — اس میں پتلی کا کیوں کیا ہے محل
اور ہیں اس اوپر کی مسجد میں — کتنے ڈالیا ہے طرح رنگ ڈیول
آخرش اتفاق سوں بولے — یو ہے صانع خدائے عزّو جل

فائز

از قصۂ رضوان شاہ تصنیف ۱۰۹۴ھ

بجتے ہیں حکایات کے راویاں — یو قصّہ انیوں کئے ہیں بیاں
کہ تھا چین میں یک بڑا بادشاہ — دورائی پھری اسکی یکسال راہ
اس اطراف میں تھا جسے تخت و تاج — اطاعت کریں ملک دیویں خراج
ولایت ملک سچ نہ تھا اسکوں کم — کسی کے طرف تے نہ تھا اسکوں غم
ولے یوں کہے مج کوں آنند نیں — کہ منج نسل میں ایک فرزند نیں
جو منج بعد اچھے وارث تخت او — جہاں میں نکالے بڑے بخت او
سیر التخت اس سوں کہ پاوے نظام — کرے مج کوں عالم منے نیک نام
اُسے سلطنت تاج واری اچھے — دنیا میں میری یادگاری اچھے
خدا پاس دن رات مانگے نسل — کرے خیر خیرات اُس کے بدل
عبادت اطاعت کرے بےقیاس — کہے یوں کہ یارب نکر توں ہراس
عطا کر مجھے ایک فرزند توں — بخت ور قابل خردمند توں

که منج نیں کو نور اپ چھے اُسکو دیک
بدی اُس سوں چوندہیر میرا نام نیک

یہی آرزو دل میں دہرتا اچھے
خدا سوں مناجات کرتا اچھے

کیا عاجزی حبب او حد سے تے زیاد
کیا حق نے لے دن کو اس بامراد

بہوت شکر کرلے کند دری کیا
ادک مال او عاجزان کوں دیا

وزیراں کو تشریف دیکر خوش حال
دے انعام لشکروں کتیا نہال

او خشنود اپنا ہے کر جان شاہ
رکھیا اُس کرا ناؤں رضوان شاہ

ہاشمی

معاصر سلطان علی عادلِ شاہ ثانی

از یوسف زلیخا تصنیف ۱۰۹۹ھ

بچھڑ کاندکی اور ہے جس کا یار
اچھے کیوں نہ وہ غم زدہ خوار زار

رہے یک نگر میں جو معشوق بھانک
وطن پر اچھے اسکے عاشق کی آنک

زلیخا ہر یک دن بندی خانہ جائے
نظر بھر کر یوسف کے تیں دیک آئے

دیکھو کیا فلک ہے ادیکیا کبل
بچاری کے جانے کون کیتا خلل

یہی غلغلہ ہور رہیا ٹھار ٹھار
زلیخا ہر ایک رات جاتی ہے بہار

نوی نیں، قدیم عورتاں کی ہے چال
پھریں کوئی راتاں کو بولیں چھنال

چھپاتیاں نہیں عیب سب کھولتیاں
یکس کی انکی لیک یوں بولتیاں

تماشے کی عاشق جنم ہے وہ نار
اوڑی سر لو جا در چلی گھر کے بھار

پڑی ایسی دی ہے چنچل ہور چتور
نئے ڈر ہے وہ عورت جنم کی دمنڈور

ایسے کیں کے ہر کوئی نہ ہے نوجواں بڑی ہو کو ان کھوئی کی اپنا ماں
جیویں مار دائی کون سٹنا اول بڑاں سٹنا بینک کے نرڑی چنگل
مرد ایسی بیٹی شرم جہاں کے جائے جیتیاں ایساں کیا لاج جو کل کوں آئے
نی ڈر لاج سٹدی پھری سر کوں کھول قبیلے کوں سب اپنے لاتی ہے بول
چلن تر تو اس کے سمج نین کسے اول دیویں صحنک بی بی کی اِسے
یہ چنچل ایسی ہے کر کو کیا جانتیاں بی بیاں میں بی بی کر کو سب مانتیاں
بی بی بن کا دیکھے تو ہے موں پو آب وسے چال چلتی اجر کی خراب
بُرے کام کا کرنا کیا کر گماں وسے پھرنے کانیں ہر بی بیاں کا شان
موئی بے خبر کیا ہے سب پردہ دار خبر نیں بی بی جاکو آنے سو بھار
بُری ہے بلا یو نہیں بچ نہنی، جہاں سب سنیا ہور اس کا دھنی
بچھانے کی عورت جوراتاں کو جائے موا مرد دانتاں تلے جیب نہ لیائے
ہوا ہے یو کیسا زمانے کوں پھیر دیکھو مرد عورت کے آنگو ہے زیر
قبیلی اُسنے سٹنا جیو مار کے ہوئی بات یوں موں میں ہر نار کے
بندی خانے کوں روز جاتی کگر زلیخا کی اپنری عزیز کوں خبر
کیا بنک کوں تاکیدیوں بے شمار نہ ہرگز نکلنے کوں دیو کس کوں بھار
زلیخا سنی جب یو تاکید ہوئی لیتی مار سینے میں کی یونک دی
سہیلیاں کوں کی ماں کی کیا بد کردں مری ہاتھ مرنا نہیں جو مروں
مرے دلمیں تھا یو نج کیا میں چھپاؤں ٹلے دیس کوں رات ہوئے جو جاؤں
اگر اتنا باتی نہ اد ہار میں اسی ہست سوں لیتی اپیں مار میں
اسے دیکھنے میں بڑی منج کوں کل نجانوں کیا کیا سکنے . تو خلل
جیوں مار سٹتے تو خون کرتی معاف نہ کرنا تھا جانے کا لیکن خلاف

خلل کرنے ہاریاں کا ہو گھر خراب
اگر مرد کوئی بچھڑا یو . بھائی
اگر کوئی عورت دئی ہے یو دُکھ
بیٹھو رانڈ کی پتھری ہو کر وہ خوار
میرا غم یو کیوں جائے کا اسکے باج
ہر یک رات یوں بول کر چڑ بھری
بندی خانہ یوسف کوں ڈالے تھے جان
ہوئی رات تو واں دیو ایک جلائی
دیکھی لاکھ تو نا دِسے دِل کا یار
منت کرکے پڑتی ہوں ہیں تیرے پاؤں
کسی شے سوں یوسف کوں کچ نیں تھا کام
بندی خانہ سوں دائی جو پھر یو آئی
بلایاں لیویں ہور پڑی اُسکے پانوں
بلا اسکے ہاتاں کی لیوے تمام
بلا اسکے موں کی وہ لیوے سندر
بلا اسکے انکھیاں کی لے بے حساب
سنج اسکوں بی بی اپی ہو کر اوداس
منجے بول یوسف کا کیا حال ہے
کہ با غم میں ہے یا کہ آرام میں
منجے کچ بھی بولو لگر نیچ گیا
اُٹھی بول کر وہ جو یوسف کا دل

جو منج بے گنہ کوں دیوے یوں عذاب
تو اڈ ڑاتا کر ڑاتا وہ مر کو جائے
نہ دیکھے دہنی موئی وہ بختوں کا سکھ
فضیحتی سبجنے یوں کیا ٹھار ٹھار
رہیا جانا میرا کروں کیا علاج
صبح ہوئی تو جا کر تبھے بر چڑی
دیدی اپنی جو تو لگاتی تھی واں،
او جلا وہی دیکھ کر جیو بھلائی
وسلے اس کے رہنے کا دستا تھا ٹھار
بہر حال یوسف کے تیں دیکھ آؤں
خدا سوں پکڑ ان کا تھا صبح و شام
زلیخا انگے ہوا اسے جا کو لیائی
کہی باؤں یو گئے تھے یوسف کے ٹھانوں
کہتے ہیں وہ یوسف کوں جا کر سلام
جو یوسف سوں ہاتاں کئے تھے لگر
جو یوسف کوں دیکھیا لگر بے حجاب
ادب سوں پوچھی بیٹھ کر اسکے پاس
ایتا کی رویش ہور کیا چال ہے
کہو کھول کر ہے وہ کس کام میں
کیا بات نیری سوں یا چپ رہا
ادھر نہیں خدا سوں لگیا اپنے مل

زلیخا سنی سو رہی ہو اُداس — پچھے پر چڑھی جا پنٹ ہوئی اداس
دو دکھوں سوں سٹی پہاڑ سب تن کے چیر — بھری یوں اپنے کلیجے کوں چیر
بچھڑ یک نگر میں رہی من ہرن — رنجیدہ تو ہوئے کیوں نہ عاشق کا من
جسے عشق سے دل کا انگنا ہوا — ارسطو کی اسپر چلے کیا دوا
ایتا ھا شمی غم کے دفتر کوں پھاڑ — بندی خانے تے یعنی یوسف کوں کاڑ
زلیخا کا گھر کے رہیا ہے پکڑ — چھوڑانے میں یوسف کے توں آگے پڑ
کمر بند توں یوسف کے خدمت میں اب — رہیگا تو خشنود ہو تج پو رب

یوسف زلیخا کا مخطوطہ ۵ ار بیع الاول ۱۱۱۰ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اس سے یہ نمونہ کلام اخذ کیا گیا ہے۔

مقیمی

از قصہ ماہ یار و چندر بدن تصنیف ۱۰۹۰ھ

دیو انے کو جب دیر آیا نظر — خوشی پر خوشی ہوئی کھلا دل اندر
ہوا وقت پوجا اُسی دیر کا — اُٹھا غلغلہ اُس پری پیر کا
دیوانہ وہاں پر لگا ناچنے — اُسے دیکھ حیراں ہوئے سب جنے
کہ جب ناز پرورده نازک بدن — پوجا کو وہ آئی ہے چندر بدن
اسے دیکھ وہ مست رونے لگا — وہ آنسو کے گوہر پرونے لگا
پری دیکھ اس کو ہے ایسا کہی — کہ عاشق سچا ہے تو میرا صحی
اسے ہے وہ بولی وفا دار تو — میرا یار عاشق ہے دل دار تو
میرا عشق تو نے لیا سر اوپر — ولے عشق تیرا میرے دل بھیتر

تیرے عشق دل کو کیا دنگ ہے ۔ وسلے آڑ بھرنا مجھے ننگ ہے

دلاسے دے، اسکو، ملوں گی تجھے ۔ جدا تم نہ جانو اپس سے مجھے

تسلی کی خاطر دیوانے کی یار ۔ تو رہ دلمیں خوش حال اور برقرار

برہ کا وہ آتش سلگنے لگی ۔ بلا ہو کے وعدہ بلکنے لگی

کہی ہے کہ اے میرے من کے موہن ۔ لگی دل کو میرے برہ کی اگن

تیرے عشق مجکوں دیوانی کیا ۔ عقل ہوش سب ڈھول دہانی کیا

یہ نمونہ سنہ ۱۲۹۰ھ کے مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

عاجز

از قصہ ملکہ مصر تصنیف سنہ ۱۱۰۰ھ

کہوں میں ثنا صفت حق کا اول ۔ بنایا ہے یو سب جگت بے بدل

رکھا جن معلق یو ہفت آسماں ۔ چلاتا ہے نوبت زمیں ہور زماں

ڈباتا ہے او دیس سب نور سوں ۔ کریں دیں جو روشن چندر سور سوں

بنایا ہے آدم کوں پانی ستے ۔ اسی دھات پیدا یو خلقت جتے

دیا سب کو نادر جو تھیاں نعمتاں ۔ فہم عقل و دل جیو ہور یو زباں

سمجھتا ہے یک ڈلیں کئے راز کوں ۔ او دانا اچھے جیو آواز کوں

دنیا بیچ او مہرباں کردگار ۔ دھرے دوست دشمن کوں ایکیچ ٹھار

نکر فعل خاطر توں اُن کا مدام ۔ دیا رزق ہور نیک کر تو تمام

کرے پرورش اس دھا تھیں گنبھیر ۔ جگت کوں ہے آدھار او دستگیر

نہ جوڑا اسے کوئی امر ہے احد ۔ نہ چہتا اُسے فوج و لشکر مدد

نہ حاجت اسے تخت ہور تاج کا ۔۔۔ نہ شاہی کا سامان ہور ساج کا
کہے کن تو سب اُس بھتیں موجود ہو ۔۔۔ ہو موجود یک پل میں نابود ہو
بشر صفت اسکی کینی کر دکھائے ۔۔۔ کہ دریا کوں مٹکے میں کیونکر سمائے
ہوئے گیوں سب اُس ذات تھے پور ۔۔۔ کہاں ماپا جاوے گا خورشید نور

سنو اب یو قصہ سب اظہار کر ۔۔۔ کہتے یک شہنشاہ اتھا بخت ور
دھرے نام فیروز سلطان شاہ ۔۔۔ اتھا مصر کے تخت کا بادشاہ
تھی بیٹی نہیں اسکوں فرزند سو ۔۔۔ اپچھے شاہ اُسے سات دلبند سو
اُسے ایک دختر سو اچپل اتھی ۔۔۔ چندر سوں بہوت خوب نرمل اتھی
ملیکہ اپچھے نام اُس نار کا ۔۔۔ اتھا شور جگ بیچ اُس نار کا
ویسے نار کا مکھ اور خورشید نور ۔۔۔ تھی اچپل نزاکت لطافت میں پور
کہتے دیس بعد از بحکم قضا ۔۔۔ بقا کوں چلیا شاہ بے سب رضا
نزاں جو وزیراں اتھے خاص عام ۔۔۔ کئے شاہ کوں دفن خوش یک مقام
سبھی مل وزیراں اپس کر بچار ۔۔۔ ملیکہ کے سر بادشاہی قرار
بٹھا تخت اوپر پری کوں نچل ۔۔۔ سلاماں سکئے ایک دھرتیں سگل
ڈھنڈورا پھرائے شہر میں تمام ۔۔۔ ہو خوش راج کرتی تھی او نیک نام

ماخوذ از قصہ ملکہ مصر مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۰ھ

--- ⁘ --- ⁘ --- ⁘ ---

عشرتی

از مثنوی دیپک پتنگ تصنیف ۱۱۰ھ

غواصی اگر دیکھتا آج کوں
موتی کی نمن جل میں دب لاج سوں

ہر یک شعر کا ہر کسے فام میں
سو دکنی کنا کچ میرا کام نیں

اگر فارسی ہو تو امرت پلاؤں
سحر کر کو کوٹے میں سدر کوں بجاؤں

ہندی جو ہراں کا ہے دل آرسی
دکھن میں ڈھکا دوں اگن فارسی

کروں سازیوں عاشقاں کا فراق
اپچھے راگ دکنی ہور نغمہ عراق

یو تحفہ حسن عشق کا مال سوں
سو بھیجوں دکن سے خراساں کوں

کہانی کے پرڈے ستے سب منجھار
دیپک ہور پتنگ کا کروں سوز ہار

نہ سٹ عشرتی حرف کوں طول میں
ایسی گی ہے باس اگر پھول میں

بچن پانچ رکھ لیکو جیوں راستاں
شروع کرانگے عشق کی داستاں

صبحدم چلی باؤ کر نو بہار
کھلے پھولبن بن ہوے لالہ زار

چلیا صید گر سیر کرتا دراج
ہوا ویں کہ یک ہنت میانی دو کاج

سو ہن کھر منے کر سپورن سنگار
شگفتہ ہو بیٹھے چمن بن کے سار

کتھی کھا ادپر جلوہ گر آرسی
دیکھی عکس زریں بت پارسی

بحری

معاصر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

از مثنوی من لگن تصنیف ۱۱۱۲ھ

اسے روپ ترا رتی رتی ہے　　پربت پربت پتی پتی ہے
پربت میں ادک، نہ کم رتی میں　　یکسار ہے راس ہور رتی میں
ساگر تو نہ سرمہ داں میں ماگا　　صندوق میں سور کیوں سماگا
طوفاں تنک سمن کی بو میں　　سمد ریک آنکھ کے انجو میں
دریا میں صدف ہر لاک بھریا　　بن کیوں بھرے بیچ صدف کے دریا
یک بال میں نو فلک بسے کیوں　　یک گھر منے دو جہاں رسے کیوں
جز کل میں چھپے نہ عکس اسکا　　یو بول نہ صاف بل گھنس کا
سب تج میں اگر کہے تو سچ ہے　　جوں جل کے مجھار کچ ہر بچ ہر

ہر بول میں معرفت کی بانی　　سیتا کی نہ رام کی کہانی
تھا پور جو یک بڑا پٹارا　　سو بھاگ نگر میں کھوئے سارا
جے نذر کیا اتھا سکندر　　جن چرخ کوں اس دکن کے چندر
کپڑے بھی کیتک جو جوڑ میں سب　　ترواردھری پتال کی بس
تھے اور بھی یادگار چیزاں　　تس پردہ چرائے بے تمیزاں
ودنین تو یو شعر نالے جاتے　　نا پھاڑ تلاؤ کون دکھاتے
اس کھوئے پر آکے کیتک یار　　جی تھا گیا پھر آپ نے ٹھار

اس پنڈ کوں نیں ہے پائداری ‏ بارے رہے کچ تو یادگاری
دے جس میں اچھے بیان بالا ‏ سنسار کے ہاتھ یک رسالا

جب مج کوں دیا یو گیاں یو گن ‏ تب ہار گندیا یو پھول چُن چُن
بیٹھا ہے بجنے ایس کے تیں ہار ‏ یو ہار ہے اُس گلے سزاوار
پامال کیا ہے جن یو دہن مال ‏ اس گلے میں سہاوے یو موہن مال
ہجری تھے یہی کیتیک برس تھے ‏ بار او برا ایک سو سہس تھے
تب سیس ایس کیا ہے بالا ‏ اس جگ میں یو قدرتی رسالا

ولی دکنی

از روضتہ الشہدا، تالیف ۱۱۱۹ھ

قلم سوں مجلس سیوم میں غم کے ‏ بکھیروں گوہراں درد و الم کے
بنی بعد از بجا نوبت ولی کا ‏ دو جگ میں سرور مرداں علی کا

شہنشاہ ولایت، علم کا در ‏ منور جس سوں ہے محراب و منبر
سُرج ہے آسمان ہل اَتیٰ کا ‏ صنوبر بوستانِ لافتیٰ کا
در خیبر اوکھاڑا اور بند ہیابل ‏ غزا میں صاحب صمصام دُلدل
جدھر دلدل ڈٹاتا ہے سو یکتل ‏ سٹا ہے پہلوانان کے کھندل دل
کرے جب حیدری میداں میں غوا ‏ ہوئے تب دُل دلیراں کا دو پارا
نظر اس سور کا جید ہر پڑا ہے ‏ کفر آگے سوں شبنم ہو اوڑیا ہے
جہاں میں جسکی مردی کا آوازہ ‏ سنے پر ہوئے دل مرداں کا تازہ

جہاں کا کفر فانی کر کے سارا ۔۔۔ کیا دین محمد آشکارا
صفت کیا کوئی کرے تیغ دوسر کا ۔۔۔ دسے جم اس میں منھ فتح و ظفر کا
محل سرّ نبی سرّ خدا کا ۔۔۔ دل صافی ہے بیشک مرتضیٰ کا
دیکھے جو بجسکے بخشش کا تلاطم ۔۔۔ رہے نت خشک لب دریائے قلزم
خطاب اسکوں امیر المومنیں ہے ۔۔۔ خدا سوں والی دنیا و دیں ہے
اچھے در دور خاتم بعد خاتم ۔۔۔ خدا کے حکم سوں شاہ دو عالم
امام اول از اثنا عشر ہے ۔۔۔ فضیلت میں سبھوں سے بیشتر ہے
کہوں کیا فضل میں اسکا کرامت ۔۔۔ نکج میں جسکے ہے خاتون جنت
فضایل ان کے تقریر و زباں میں ۔۔۔ سماتے نیں ہیں تحریر و بیاں میں
جو کرنا دل یو اب فکر تولد ۔۔۔ کروں میں شاہ کا ذکر تولد
کرامت فاطمہ بنت اسد کا ۔۔۔ کہوں یا شاہ مرداں سے وِلد کا
حمل سوں فاطمہ مولا کے اک روز ۔۔۔ طواف کعبہ سے تھے راحت اندوز
جو نکلے آ یکایک اسطرف سوں ۔۔۔ محمد مصطفےٰ اعزو شرف سوں
دیکھے تو فاطمہ کا رنگ ہے زرد ۔۔۔ کئے معلوم کرتا ہے شکم درد
کہے اسے رکھ اپنا جمع خاطر ۔۔۔ ابھی تیر خدا ہوتا ہے ظاہر
طواف کعبہ جلدی سوں توں کر جا ۔۔۔ درد سلئے ہوئے توں کعبہ بہتر جا
ہوا نزدیک واں جننے کا آثار ۔۔۔ ہوئی فی الحال شق کعبہ کی دیوار
گئے ہیں فاطمہ کعبہ منے تو ۔۔۔ سواس پاکیزہ جاگے پر جنے تو
اتھا جو گنج مخفی میں ستارا ۔۔۔ ہوا گھر میں خدا کے آشکارا
خدا کا تھا ازل سوں مست و شیدا ۔۔۔ ہوا تب وہ خدا کے گھر میں پیدا

ابن نشاطی

از مثنوی پھول بن تصنیف ۱۰۷۶ھ

اِلٰہی یا اِلٰہی یا اِلٰہی
تجے ساجے جگت کی بادشاہی

تکبر ہور منم ہے تج سزا وار
کہ نیں کوئی دوسرا تج سار کرتار

دکھانے جب منگے قدرت کا توں بل
کرے بھیں گھن پو گھن کوں بھیں کرے تل

رنگ آمیزی کیا صفحہ چمن کا
کہ جیسا کام ہے نازک بدن کا

لکھیا یوں موج کی بھنگ راج جل پر
کہ جیوں درپن اوپر نکلے ہیں جوہر

جھلک تج ذات سب ٹھنے میں ہے بھرپور
ہریک ذرّے میں ہے تجھ سور کا نور

ہریک مصرع کہ ہے جیوں پھول ریحاں
میرے آہاں کلہ ہے وہ عشق پیچاں

بہت محنت ستے کر لہو پانی
کیا اس باغ کی میں باغبانی

بہر حال ہو ویں جو اہل معانی
وہی سمجھیں سگے یو نکتہ فشانی

بنایا پھول بن ابن نشاطی
متھی باس اُسکی سب کے تیں خوش آتی

جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن
ہے بیج وہ عشق کے لکھیاں کا انجن

اسے اُستے اگر ناپائے بہتر
برابر تو نہیں جانے نہ کمتر

ہوا تیار جس دیساں میں پھول بن
مصنف تس لکھیا ہجرت کے یوں سن

سن ہجری لے آیا جب یو رکھ بار
اگیارہ سو کوں کم تھے میں پر چلیہ

سٹیا مج نیہ درپن نے بو پھل کار
اگیارہ سو یو تھے چالیس پر چار

محبت کی جو ہے عارس سلگھن
اُسے ہے رونما یو نیہ درپن

ہوا جب کامل اس کا نظم ہر حال
زمانے نے کیا منج بہوت خوش حال

کیا تاریخ یو رخ منج رخن کا
یو نو تحفہ مبارک بے ہنر کا

وجدی

از مثنوی پنچھی باچہ ترجمہ منطق الطیر تالیف ۱۱۴۶ھ

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر
حمد سوں حق کے بلند آواز کر

شوق سوں ایسا او چھا ایک چہچہا
بج رہے ترلوک کا عالم لبھا

گلشن وحدت ہے تیرا آشیاں
احدیت کا راز سب تجھ پر عیاں

وحدیت کا ہے تجھے اسرار بار
تو ج ہے وحدانیت کا رازدار

تو ج جام عشق کا ہوئے پرست
توں لیا ہے لذت جام الست

کیا کہوں اے صاحب شیریں سلوک
جائے تیری بات سنتے پیاس بھوک

تازہ کر اب ٹک زباں توحید سوں
دور تر ہر شرک ہر تقلید سوں

پاک دل سوں یاد کر اس پاک کوں
جن دیا جیو اس مٹھی بھر خاک کوں

نیستی سوں ہست کیتا یو جہاں
سات طبقاں دہر تری نوں آسماں

خالق جاں صانع ہر جز و کل
جس کی پیدائش سوں ہے یو خار و گل

خار بولیں گے تو بے علت نہیں
گل کو دیکھیں گے تو بے حکمت نہیں

دوزخ و جنّت نہیں بے مصلحت
خوب ہے معلوم اسکو اسکی گت

کھول انکھیاں دیکھ یو سب کائنات
کیا سو جیواں کیا جمادی کیا نبات

کیا دہیں کیا آسماں کیا چاند سور
کیا رین کیا دیس کیا ظلمات و نور

فکر کر دیکھے تو کچھ بے کار نیں
نیں ہے او کچھ شے جو تجھ درکار نیں

نا ہلے کوئی بات اسکے حکم باج — لیکن اسکو کتے نہیں کچھ احتیاج
نا زن و فرزند اسکوں نا مثال — ملک اسکا بے شریک و بے زوال
ہی منزہ سب سوں او پروردگار — نا دسے قدرت کا اسکے انت پار
شکر و حمدی کہ بر وجہ کتاب — ختم ہوئی توفیق حق سوں یو کتاب
اصل میں تھا یو کلام فارسی — اہل معنی کوں مثال آرسی
خوش تریں تصنیف شیخ نامدار — پیشوائے عارفان روزگار
شیخ صاحب دل فرید نامور — خاص جن کا ہے لقب عطار کر
اونکالے ہیں گے جوں عطر سخن — عطر پروردہ کئے ہیں یو گگن
ہر سخن یو نکتۂ اسرار ہے — مغز جاں کوں طبلۂ عطار ہے
عارفاں کے پاس وہ استاد ہے — طالباں کے حق منے ارشاد ہے
فکر سوں جو کوئی کیا اس میں نظر — مقصد دیں سوں ہوا دیں بھرور
بخت اگر یاری کرے تو کیا عجب — نا رہے مردار دنیا کی طلب
تھا و لے جو فارسی میں وہ کلام — کوئی سمجھ سکتے نہ تھے اس خاص و عام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس — کان مجھے اسکے سمجھنے کا قیاس
لیکن اسکے دیکھ کر دل سوں یو بول — یک بیک جوں دل منے آیا کلول
بحے موافق فہم اپنے یو ضعیف — اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصد کر دکھنی زباں میں لیک آؤں — تا رہے دنیا منے میرا بھی ناؤں
پس مدد منگ شیخ کی ارواح سوں — التجا کر عجز اور الحاح سوں
پس قلم جاری کیا اوراق پر — جب ہوا پورا یو نظم مختصر
نام میں اسکا یچھی باچہ رکھا — یادگاری خلق عالم کو دیا
جب کیا تاریخ کا دل میں حساب — تب ہوا میزان میں "کیا خاصا کتاب"

۱۱۴۶ھ

ولی اورنگ آبادی

غزلیات

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

ہر زباں پر رہے مثلِ شانہ مدام
ذکر اُس زلف کی درازی کا

ہوش کے ہاتھ میں عناں نہ رہی
جب سوں دیکھا سوار تازی کا

تیں دکھا کر اپس کے مکھ کی کتاب
علم کھویا ہے دل سوں قاضی کا

آج تیری نگہ نے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا

گر نہیں راز فقر سوں آگاہ
فخر بیجا ہے فخر رازی کا

اے ولی سرو قد کوں دیکھوں گا
وقت آیا ہے سرفرازی کا

توں ہے رشکِ ماہ کنعانی ہنوز
تجکوں ہے خوباں میں سلطانی ہنوز

ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی
آرسی کوں درس حیرانی ہنوز

شرم سوں تجھ مکھ کے اے دریائے حسن
چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

خواب میں دیکھا تھا تیری زلف کیں
دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز

حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں
خاتم دست سلیمانی ہنوز

تجھ کمر کوں دیکھ حیراں ہوئے ہا
مو قلم کے ہاتھ میں مانی ہنوز

روز ادل سوں چمن میں حسن کے
نیں ہوا پیدا ترا ثانی ہنوز

اے ولی اُس گلبدن کے عشق میں
مثل بلبل ہے غزل خوانی ہنوز

ہے نازنیں صنم کا زلفاں دراز کرناں
فتنے کا عاشقاں پر دروازہ باز کرناں

دل لے گیا ہے میرا پھر مانگتا ہے جی کوں
بر جا ہے نازنیں کوں عاشق پہ ناز کرناں

اے قبلہ رو دلیسے ہیں محراب تجھ بھواں کے
واجب ہوا انکھیاں سوں اب جا نماز کرناں

کیوں کر چھپا سکوں میں تجھ درد کی حقیقت
ہے کام آہ دل کا افشائے راز کرناں

ہے منحصر اسی میں عاشق کی سرخ روئی
خدمت ہیں گلرخاں کے جی کوں نیاز کرناں

ہیں عشق سوں کیا ہوں تجھ دل کوں نرم آخر
ہر ایک کا کام نیں ہے دل کوں گداز کرناں

ہے پہونچنے کا ساماں کعبے کوں مدعا کے
دریائے عاشقی میں دل کوں جہاز کرناں

شاید غزل ولی کی لیجا اُسے سناوے
اس واسطے بجا ہے مطرب سوں ساز کرناں

کیا تجھ عشق نے ظالم خراب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

مرے دل کوں کیا بیخود تری انکھیاں نے اے ظالم
کہ جیوں بیہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں
کہ جیوں مشرق سوں نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیال یار بے پروا
کہ جیوں انکھیاں منے آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

نشہ بخش عاشقاں وہ ساقیٔ گلفام ہے
جس کی انکھیاں کا تصور بیخودی کا جام ہے

کھولنا زلفاں کا کچھ درکار نیں اے خوش ادا
یک نگاہ ناز تیری دو جہاں کا دام ہے

آفتاب آتا ہے محرم ہو کے تجھ کوچے طرف
صبح صادق اُس کے بر میں جامۂ احرام ہے

دل کوں تجھ باج بے قراری ہے
چشم کا کام اشک باری ہے

شب فرقت میں مونس و ہمدم
بے قراری و آہ و زاری ہے

اے عزیزاں مجھے نہیں برداشت
سنگ دل کا فراق بھاری ہے

فیض سوں تجھ فراق کے ساجن چشم گریاں کا کام جاری ہے
فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں گرچہ منصب میں وہ ہزاری ہے
عشق بازی کے حق منے قاتل ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے
آتشِ ہجر لالہ رو سوں ولی داغ سینہ میں یادگاری ہے

نکو کر آشنائی غیر سوں اے سیم تن ہرگز نہو اے شمع رو ہر انجمن میں شعلہ زن ہرگز
نہ مل مایل ہو ہر طوطی سوں اے شکر شکن ہرگز نہ مل ہر بلبلِ مشتاق سوں اے گلبدن ہرگز
ہر ایک گلشن میں جیوں نرگس نہ کھول اپنے نین ہرگز
فصیحاں خلق کے سارے تجھے شیریں بچن کہتے پیشانی روز روشن اور زلف کالی رسن کہتے
مبصر ہر جواہر کے تجھے درِ عدن کہتے جہاں کے گلرخاں سارے تجھے نازک بدن کہتے
تو ہر ملیکاں کے کانٹاں پر نہ رکھ اپنے چرن ہرگز
سدا مشتاق ہے طوبیٰ ترے قد صنوبر کا تجلی میں ترا یہ مکھ اہے خورشید محشر کا
دہن تیرا سو خنیر انجام ہے یہ جام کوثر کا تو بیشک روح ہے جگ میں خلاصہ چار عنصر کا
بجز تجھ روح کے قائم نہ ہو جگ کا بدن ہرگز
تو ہے محبوب عالم کا ولی عالم سوں ہو یکسو تو محبوباں میں عنقا ہے نکو دکھلا کسی کو رو
ہوا آشنا اں کیا دل کوں لجا واں زلف عنبر بو بغیر از عید مت دکھلا کسی کوں یہ ہلال ابرو
نہ مہتاب میں بھی کس سو اے چندر بدن ہرگز

سراج

کہاں ہے گلبدن موہن پیارا
کہ جیوں بلبل ہے نالاں دل ہمارا

بساطِ عشق بازی میں میرا دل
متاع صبر و نقد و ہوش ہارا

تغافل ترک کر اے شوخ بیباک
تلطف کر نوازش کر مدارا

سراج اُس شمع رونے اندنو میں
لیا ہے سب پتنگوں کا اجارا

گدائے کوچۂ میخانہ میرِ مے پرستاں ہے
بہارِ گل میں ہر بلبل بشیرِ مے پرستاں ہے

شب تاریک میں حاصل ہے انکو سیر مہتابی
کہ دورِ جام مُل بدرِ منیرِ مے پرستاں ہے

لب سیں دام زلف عالمگیر ہے
نقش پا ہر صید کوں زنجیر ہے

زلف مشکیں کوں مطول مت کہو
مصحف رخسار کی تفسیر ہے

کھینچکر تیغ جفا مت قتل کر
عاشق دل خستہ بے تقصیر ہے

جلگیا آخر دل بے کل سراج
تب تو تھا سیماب اب اکسیر ہے

آرزوئے دل سیں جو بسمل ہیں اُس جلاد کے
صبح محشر لگ نہیں ہیں لب کشا فریاد کے

تیشۂ شیریں میں غم کھاکر سلامت ہیں مدام
جاں خراشاں معتقد ہیں مشرب فرہاد کے

دیدۂ اہل نظر گلرو کی صورت دیکھکر
بلبل تصویر سیں ہیں آئینے ایجاد کے

دیکھ کر اُس گلبدن کے قامت موزوں کی چھب
صحن گلشن میں اُڑے ہیں فاختے شمشاد کے

جاتا ہے مراجاں نپٹ پیاس لگی ہے
منگتا ہوں ذرا شربت دیدار کسی کا

سب پر ہی کرم مجھ پہ ستم کیا ہی دورنگی　　دلدار کسی کا ہے، دل آزار کسی کا
زنجیر بھلی، قید بھلی، موت بھی جیوں تیوں　　پن حق نہ کرے کس کو گرفتار کسی کا
میں ہوں تو دوانہ، پہ کسی زلف کا نیں ہوں　　واللہ کہ رکھتا نہیں یک تار کسی کا

معراج العاشقین

تصنیف خواجہ بندہ نواز سیّد محمد حسینی گیسودراز المتوفی ۸۲۵ھ

محمد ہور اللہ کے درمیان پردہ بانذے۔ اُسے نقاب کبریا بولتے ہیں۔ عرفان کرسی پر محمد کوں سُلائے۔ اللہ محمد باتاں کرنے عشق کوں بُلائے بعشق مشاطہ ہوکر عاشقاں کے باتاں معشوق کوں معشوق کے باتاں عاشق کوں سنائے۔ اللہ سے آواز آیا۔ اے محمد یک لک چوبیس ہزار پیغمبراں میرے کر طلب نیں کیا۔ میں ان کوں طلب نیں کیا۔ تیرا فراق مجھے بہوت ہوا ہیں۔ تجھے اس راہ ہوکر لیا۔ اپنے معراج کیاں نشانیاں میں تجھے دیتا ہوں اتیاں میریاں باتاں سُن کہ تیری امت کوں میرے بندیاں کوں خبر دیتا ہوں۔

یو سب باتاں نبی علیہ السّلام کوں بول کر خاصے کے طبق میں چار کانسے رگ کو دئے دودھ، پانی، شہد، شراب، خاصے کا سرپوش اُٹھا کر محمد رسول اللہ کے نزیک نبھیجے، اور کہے اے محمد یو ہور تمارہی امت کوں بھی پلاؤ۔ حضرت دودھ پئے۔ ہور عرض کئے، اے میرے خدا میں دودھ کوں قبول کیا۔ کانسے تین کسے دئیوں۔ جبرئیل علیہ السّلام خوشحالی کی خبر لیا۔ اے دودھ محبت کا کانسا۔ پانی قطرے کا کانسا۔ شہد شہوت کا کانسا۔ شراب عشق کا کانسا ہے۔

سب رس

مصنفہ ملا وجہی تصنیف ۱۰۴۴ھ

ایک شہر تھا۔ اُس شہر کا ناؤں سیستان۔ اُس سیستان کے بادشاہ کا ناؤں عقل دین و دنیا کا تمام کام اُستے چلتا۔ اُس کے حکم باج ذرا کیں نیں ہلتا۔ اُسکے فرمودے پر جو چلے۔ ہر دو جہان میں ہوئے بھلے۔ دنیا میں خوب کھوائے۔ چار لوگاں میں عزت پائے۔ جان رہے گھڑے۔ واں قبول پڑے۔ نہ آفت دیکھے نہ زلزلہ۔ آپے بھلے تو عالم بھلا۔ کسی کوں بُرا بولنا یو وسواس ہے۔ بھلائی برائی سب اپنے پاس ہے۔ آپی چل نیں جانتے دوسریاں پر بُرا مانتے۔ اول اپنی خبر میں اپی رہنا۔ تیچھے دوسرے کون بُرا کہنا۔ جنے اپسکوں چ پچھانا ان نے سب جانیا۔ جدھر ڈھلنا ہے۔ اُدھر عقل کے اوجالے میں چلنا ہے۔ آدمی نے عقل چھوڑیا۔ دیوانہ ہویا۔ اپنا سر آپی پھوڑیا۔ عقل میں جو کاکلوت ملتی تو حرمت میں نقصان ہوتا۔ مدعا دُور پڑتا۔ دلتے اگر منگتا ہے جو دل کوں تازہ رکھے مدعا پاوے۔ تو بھلا ہے۔ جو عقل میں کاکلوت نا ملا وے سکت ہے تو عقل میں ہمت کوں کر شریک۔ یو پند ہے۔ اگر تجھ میں کچھ سمجھ تو یو پند سیک۔ جو کوئی یو چلبنت چلتا ہے۔ دو کامل ہوتا ہے۔ روشن طبیعت زندہ دل ہوتا ہے۔ عقل میں کاکلوت جیوں ریشم میں سوت۔ جیوں دود میں چھاچ۔ جیوں باج میں کاج جو شیرے میں میرا۔ جوں اُجلے زیرے میں کالا زیرا۔ جنے دل کوں جلایا۔ اُن نے کچھ پایا۔ جتے قدم انگے دھریا۔ اُن نے کچھ کریا۔ مردی فا مردی یک قدم ہے۔ مرد کوں یہاں فکر ہے۔ نامرد کوں کیا غم ہے۔ انجانتا بچارا بھلا۔ جانتے پر بڑی بلا۔ کاکلوت نے جو دل مرگیا تو تیچھے بچارا کیا کام کرے گا۔ دل اُسکا جلتا ہے۔ جس میں عشق ہور محبت ہور ہمت ہے۔ جیوں اپی آنیچ کا ہے اسپر رحمت ہے۔ جو حافظ بولیا ہے۔ دل کی کھڑکی دروازے

کھولیا ہے (بیت)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

خاص اچھو یا عام۔ آخر عقل کی حکم سوں لگیا ہے کام۔ اسکے حکم باج کوئی کس کام میں جاوے اپنا کیا اپی پاوے (بیت)

عقل ہے باز ولے باز می بلند پرواز شکارگاہ ہے اُس کا حقیقت اور مجاز

عقل کی دوڑ بہت دور ہے۔ عقل ہی آدمی کھواتی۔ عقل ہی تو عقل تے خدا کوں پاتی عقل اچھے تو تمیز کری بھلا ہور برُا جاتی عقل اچھے تو اپسکوں ہور دوسری کون پچھانتی عقل تے میر عقل تے پیر۔ عقل تے بادشاہ عقل تے وزیر۔ عقل نے دنیا۔ عقل تے دولت عقل تے چلتی سلطاناں کی سلطنت۔ عقل تے رہتا یو عالم کھڑا۔ جس میں بہوت عقل دو بہوت بڑا۔ عقل سوں چلتی خدا کی خدائی جتنی عقل اُتنی بڑائی۔ عقل نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا۔ کچھ اچ نہ ہوتا

عقل کے نور تے سب جگ نے نور پایا ہے جنے جو علم سیکا سو عقل تے آیا ہے

شمایل الاتقیا

مصنفہ میراں یعقوب۔ تصنیف ۱۰۸۰ھ

حدیث۔ قلب العارف حرم اللہ وحرم ان یلج فیہ غیر اللہ۔ یعنے عارف کا دل سو خدا کا گھر ہے۔ ہور حرم ہے جو دخل کرے اس گھر میں خدا باج دوسرا۔ امنیت کے منا ہور معرفت کے عرفات میں اس تسبیح کرنہاریاں۔ تسبیح یہ ہے بیت

دل کے کعبے ہور حرم کا تل تل ہی ہمکوں طواف حاجیاں کرتا رہ اُس کعبے حرم کا توں طواف

حاجیاں جو کعبے کا قصد کرتے ہیں ہور باٹ گھاٹ کا مشقت ہور محنت جو سوتے ہیں

سواس نیت سوں جو گناہ دور ہوئے ہور خدا کی بخشش پاویں۔ عاشقاں کوں دوست کے باٹ میں کھونا ہور جیو دینا خوشی ہور شادی ہے **نظم**

عاشقاں کا قصد بہتر حاجیاں کے قصد تے ۔ یو لیجاوے کعبے کوں ہور وہ لیجائے دوست کنے

عاشقاں ہور عارفاں کو کعبے ہور بت خانے میں۔ مسجد ہور میخانے میں اصل مقصود سو عین مطلب سو خدا ج ہے یعنی اینو ہر جاگا۔ خداج کوں پاتے ہیں۔ کوئی چیز اینو کا حجاب نیں۔ **نظم**

خواہ کعبے کوں میں جاؤں خواہ جاؤں مکیبے ۔ میل منج دل کا اسی کیرے کہ ہن سارا اچھے

(رسالہ سراللہ) ایک عام کا کعبہ ہے ایک خاص کا۔ عام کا کعبہ سو ظاہر ہے۔ ہور اسکا دروازہ کھلا ہے۔ خلق زیارت کرنے کا جاگا ہے۔ ہور خاص کا سو باطن ہے اسکا دروازہ بند رہتا ہے تا غیر تے سلامت رہے۔ یعنے بیگانا کوئی نا آسکے۔ اور خدا کے نور کا زیارت گاہ ہے۔

(رسالہ شمسیہ) کعبے کے باٹ میں جنگل ہور گھاٹ اسو اسطے رکھے ہیں جو جانے ہارے جاتے آتے ہیں محنت پاویں ہور جلیں۔ بعد ازاں درست ہور کامل ہوویں۔ اگر اینو بھلا نچ درست ہور کامل ہویں تو کعبہ اینو کی زیارت کوں آکر درست ہوئے ہور اینو کے گھر کا طواف کرے۔ بی بی رابعہ کے انگے کعبہ آیا سو۔ ہور خواجہ مودود چشتی کے گھر کا طواف کیا سو قصہ مشہور ہے۔

اسرار التوحید

مصنفہ سید شاہ میرانجی تصنیف قریب سنہ

تمام ثنا ہور صفت ہور سراناا ازل سوں ابد لگ ثابت ہور سزاوار ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ذات کوں کہ دو بے چون دبے چگونہ ہور بے شبیہ دبے نمونہ ہے۔ کوئی چیز اس سرکا

نیں - ہور دوکسی چیز سرکا نیں - یعنی مخلوقات کی صفات ہور لوازمات سوں پاک ہور منزہ ہور برتر ہے -

اے عزیز موجود دو وضع کا ہے - ایک واجب الوجود - دوسرا ممکن الوجود - واجب الوجود اُسے بولتے ہیں کہ او خود بخود آپ سوں آپ قایم ہور موجود ہے - ہور ہمیشہ تھا ہور ہمیشہ اچھے گا - او وجود حق تعالیٰ کا ہے یعنی خدا کی ذات ہور صفات کون واجب الوجود بولتے ہیں - ہور او قدیم ہور غیر مخلوق ہے ہور باقی ہور دائم ہے -

ممکن الوجود او ہے کہ اُسکا اچھنا - ہور نا اچھنا برابر ہے - یعنی کبھی موجود اچھتا ہے ہور کبھی نیں - او وجود عالم کا ہے ہور حادث ہور مخلوق ہے - یعنے اپس سوں آپ نیں بلکہ پیدا کیا ہے ہور نوا ہے - ہور فانی ہے -

معرفۃ السلوک

مصنفہ شاہ محمد ولی اللہ قادری تصنیف ۱۱۰۹ھ

خدائے تعالیٰ کی صفت اور سرانے کے بعد، اور حضرت رسالت پناہی کے درود و سلام کے بعد کہتا ہے کمترین مرید، اور اپس ترین شاگرد، جاروب کش درگاہ عالی، اور بارگاہ لاابالی، عاجز فقیر حقیر محمد ولی اللہ قادری کہ حکم کئے مجکو حضرت شہباز ولایت معدن ہدایت، آفتاب عالم تاب، بزرگ اولیا کے بڑے اتقیا کے، صدر نشین محمد مصطفےٰ کی شریعت کے دریا حقیقت اور معرفت کے، وارث محمد رسول اللہ کے حضرت شاہ محمد حبیب اللہ قادری باقی رکھے اللہ تعالیٰ اُن کو ہمارے سر اور آنکھوں پر جب تلک کے چمکتا اور جھمکتا رہے کہ کتاب معرفۃ السلوک جو تصنیف حضرت مغفرت پناہی اور شیخ الشیوخ بندے کے معروف شیخ محمود بلطف معبود قدس اللہ سرہ کی ہے، فارسی زبان سے اسکو ہندی

زبان میں بیان کر، اور آیت اور حدیث کے معنی ایک ایک عیاں کر، تاکہ اسے طالبین حق
سکے ہیں جو نہ عربی جانتے ہیں اور نہ فارسی پہچانتے ہیں ولیکن اپنے مطلوب کی طلب
میں پہنچے ہیں، اور ظاہرا عالم کی نظر میں پکے ہیں اور اپنے معشوق کے عشق میں آفتاب
کے مانند جلتے ہیں اور اپنے محبوب کی بے نیازی دیکھ کر مہتاب کی مثل گلتے ہیں۔ اور
حق کی باتوں کے پیاسے ہوکر حیران اور پریشان اور سرگردان پھرتے ہیں لیکن خضر
کہاں ہے جو اس معانی کے پانی کو ان نہ سمجھے لفظوں کی ظلمات سے نکال کر سمجھتی زبان کے
کوزے میں بھر کر ان پیاسوں کے حلق کو تر کرے۔ اور ابد کی زندگی بخشے۔ تا وہ اس عاجز
کو یاد کریں۔ تجکو لازم ہے جو اس معانی کی عروس کو فارسی اور عربی لفظوں کے خلوت خانے
سے باہر نکال کر ہندی زبان کے تخت پر بٹھلا۔ تاکہ ہر عاشق اپنے معشوق کے جمال
کی شراب اپنی آنکھوں کے پیالوں میں مالا مال بھر کر اپنے دل کے حلق کو پہونچاوے۔ تو
اس حکم کو غنیمت جان کر جی سے قبول کیا میں اور توفیق اللہ تعالےٰ سے منگ کر معانی کے
محبوبوں کے چہرے سے حجاب اور نقاب ان۔ سمجھے لفظوں کا دور کیا میں اور آیت اور
حدیث کے خوباں کے جمال کو ترجمے کے زر سے آراستہ کیا میں تا دلبر اور دلدار ہر
عاشق صادق کا ہوئے نور علی نور نظر میں آوے۔

شرح مرغوب القلوب

ہمارے مخدوم مولانا عبدالحق صاحب نے اسے حضرت میران جی شمس العشاق کی تصنیف
بتایا ہے جن کا سنہ ۹۰۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ اسکا ایک نسخہ ہمنے ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات
کے کتب خانہ میں دیکھا ہے اسکے خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت میران جی خدانما کی
تصنیف ہے، یہ بزرگ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر تھے سنہ ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے ہیں
انھوں نے تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی کی شرح بھی لکھی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین ۔ سرانا ، نوازنا ، خداکوں بہوت کہ او پالنہارا ہے عالم کا والعاقبۃ للمتقین ہور خوبیاں دیوے گا ۔ پرہیزگاراں کوں والصّلوۃ علے رسولہ محمد والہ اجمعین ۔ ہور درود اپنے رسول پر بھیجنا ، ہور انکے فرزندان پر ، ہور سب امت کے خاصان پر ،

سوائے عزیز یہ معنی ہے کہ اپس کوں دیکھ کر بندگی کرنا ۔ خدا کا صفت بہوت کرنا ، بہوت سرانا ، بہوت نوازنا ، جنّنے پیدا کیا سب عالم کوں ہمنا کوں عقل ہور دین دیا ۔ ہور محمد پر درود بھیجنا ہور انوں کے فرزنداں کوں ، ہور سب امت کے خاصاں کوں ۔